جلد ۹۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء عدد ۲

ماہنامہ

# ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

# فہرست مضامین

جلد ۹۰ | اکتوبر ۱۹۷۸ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ | عدد ۲




ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ، لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۱۰۱۶ ——— ۴۱۱۰۱۷

زرِ سالانہ بیس روپے ۔ فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

بڑی مبارک بات ہے کہ احیائے اسلام کے جس مقدس نصب العین کے لیے برصغیر میں محمد بن قاسمؒ سے لے کر اورنگ زیب عالمگیرؒ تک ، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر علامہ اقبالؒ تک ، اور پاکستان کی تحریک دستور اسلامی سے لے کر تحریکِ نظامِ مصطفےٰ تک بڑی بڑی مسلم شخصیتوں، جماعتوں اور تحریکوں نے یکے بعد دیگرے سعی و جہد ہنگ و تاز اور وا لہیت و فداکاری کا ایمان پرور مظاہرہ کیا ہے، اس کی طرف حاکمانہ قوت کے ساتھ پیشقدمی کرنے کے لیے پہلی بار ایک قابلِ اعتماد ٹیم مختصر سے عبوری وقفے کے لیے اقتدار کے اسٹیج پر آئی ہے۔ نہایت محتاط الفاظ میں، بغیر کسی جھجک کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ٹیم کے بیشتر جانے پہچانے افراد نیتوں کے لحاظ سے مخلص، اور صلاحیتوں کے اعتبار سے موزوں ہیں۔

---

ان حضرات نے جن حالات میں ذمہ داریاں سنبھالی ہیں وہ اتنے ادق اور پیچیدہ ہیں کہ خالص سیاست کاروں اور سیاست بازوں میں سے کوئی بھی موجودہ چیلنج کے سامنے کھڑا ہونے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ تشدد اور خیانت اور فریب کارانہ سیاست کا مارا ہوا معاشرہ مختلف قباحتوں کے درجہ بدرجہ بڑھتے ہوئے منافقانہ کردار کے ڈسے ہوئے عوام، بیانات میں پلٹے جانے، اسے جمہوریت کے شوقِ بے پایاں کے پیچھے استدلال سے بے نیاز اور رواداری

سے محروم، قدم قدم پر تصادم کرنے والے دھڑے۔ ووٹوں کے شکار کے لیے ہانکا کرنے والے افسر اور ملازم اور اہلِ قلم، صیادوں کی طرف سے انتخابی حلقہ ہائے دام میں نوٹوں اور لائسنسوں اور پرمٹوں اور نوکریوں اور ڈیپوؤں کی شکل میں بکھیرا جانے والا دانہ اور سیاست و عہدہ کی مارکیٹ میں جمہور کے ضمیروں کے بکتے ہوئے کباب، کتنا خوفناک ڈرامہ تھا، جس کے کردار ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر ملک کی تباہ شدہ معیشت، افراطِ زر کا طوفان، قیمتوں کی اونچی ہوتی پتنگیں، زرعی و صنعتی پیداواروں میں کمی، درآمدی برآمدی تجارت میں خسارہ۔ غیر پیداآور صورتوں میں بجٹ کی رقومِ صرف کا زیادہ بہاؤ۔ سرمایہ دار طبقے میں کاروبار سے بددلی۔ محنت کشوں میں عدمِ اطمینان، غیر ملکی قرضوں کے بھاری بوجھ کا حصہ بچے بچے کی گردن پر لدا ہوا ـــــ ان حالات میں کیا "ترقی پذیری" کی اصطلاح بھی ہم پر راست آسکتی ہے۔ پھر تعلیم کا مغرب کے فلسفوں اور نظریوں کو بلاتنقید نوجوان ذہنوں پر ٹھونستے چلے جانا۔ ادب میں مادہ پرستی اور بدن پرستی کا غلبہ، موسیقی پر جنسیت کے آسیب کا تسلّط، صحافت کے معلمانہ تعمیری کردار کی کاروباریت سے شکست، ریڈیو اور ٹی۔وی کا حکومتوں کے لیے محض ناقوس بنے رہنے اور تفریحِ بلامقصد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے غیر تعمیری ہو جانا ـــــ یہ سب کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی قصبے اور اس کے ارد گرد کی زرخیز زمین پر سے کوئی تباہ کن سیلاب گذر گیا ہو، اب نہ کوئی تعمیر باقی ہو، نہ ترتیب۔

ایک تیسرا پہلو بھی حد درجہ پریشان کن ہے۔ پچھلے ادوارِ حکومت میں آہستہ آہستہ، اور پی پی پی کے آخری دور میں پورے زور شور اور تیز رفتاری سے جرائم پیشہ اور جرائم پسند اور شرافت دشمن عناصر کو معاشرے کے قعرِ اسفل سے اٹھا کر درجاتِ عالیہ پر پہنچا دیا گیا ہے۔ نتیجہ ہے کثرتِ جرائم اور جرائم میں وحشت و بہیمیت کے انداز، اور مجرمین کا کم صورتوں میں گرفت میں آنا۔ اور اس سے کم صورتوں میں کیفرِ کردار کو پہنچنا۔ جب کسی کے پرچمِ اقتدار کو بلند رکھنا اور کسی کے تخت کے پایوں کو مضبوطی سے تھام رکھنا اور اُسے انتخابات میں کامیاب کرانا، قاتلوں اور ڈاکوؤں، زانیوں اور اغواکاروں، شرابیوں اور جواریوں کا منصب ہو تو پھر تو بیچارے کوتوال ہی کو چوروں کی طرف سے ڈانٹ پڑے گی۔ بلکہ ستم مزید ہمارے ساتھ یہ ہوا کہ محتسب اور شحنہ اور

کوتوال بھی احکام بالا کے تحت مجبور ہو گئے کہ وہ مجرموں سے تعاون کریں۔ ایسے میں آج اگر یہ حال ہے کہ ذرا کوئی بچہ اِدھر اُدھر ہوا اور اغوا ہو گیا، کوئی نوجوان موقع پر پھنسا تو وہ تخریب کاروں کے کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ سڑک پر چلتی بسوں کو کھڑا کر کے چار آدمیوں نے اُس کے مسافروں سے روپیہ اور سامان چھین لیا، کسی اکیلی دکیلی دخترِ پاکستان کو کبھی کسی تھانے، بسوں کے کسی اڈے، کسی دکان یا کسی کھیت میں جوہرِ ناموس سے محروم کر دیا گیا۔ بلکہ گھر میں گھس کر اور مردوں عورتوں کو رسیوں میں جکڑ کر بھی خباثت دکھائی گئی۔ دھڑلے سے دن دہاڑے بڑی بڑی چوریوں کے واقعات، سڑکوں اور چوراہوں پر بیسیوں آدمیوں کے سامنے قتل کی کارروائیاں، کسانوں کے مویشیوں کو ہتھیا لے جانا، فصلیں کاٹ لینا یا جلا دینا، دوسرے کی زمین کو عدالتوں میں جا کر کسی غیر کا بہ حیثیت مالک کے فروخت کر دینا، تھانوں میں حقیقی یا غیر حقیقی مجرموں کو دورانِ تفتیش غیر انسانی حد تک اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دینا، جعلی پاسپورٹوں اور ڈگریوں کا فروخت ہونا، غرضیکہ کوئی کہاں تک بیان کرے۔ بس یوں سمجھیے کہ جرم اور ظلم کی آندھیاں ہیں جو ہر چہار طرف سے اُمڈ اُمڈ کر آتی ہیں، اور اُن کا ہر جھونکا ہمارے سر جھکا کر گزر جاتا ہے۔

اور بیرونی حالات کیا ہیں؟ اُن کو ہم سے نہ سنیے اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنی قوتِ شامہ سے سونگھنے کی کوشش کیجیے۔ تاریخ کا ایک کھیل آپ نے افغانستان میں دیکھا، دوسرا ایران میں دیکھ رہے ہیں۔ امریکہ کی پرانی دوستی نے جو شکل اختیار کر لی ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے اور روس کی نئی دوستی جس انداز سے ہماری گردنوں کے گرد محبت کی باہیں حائل کرنے کے لیے بڑھ رہی ہے وہ بھی آپ کے ذہن سے اوجھل نہیں ہے۔ بھارت نئے حالات میں غیر محسوس طریقے سے پینترا بدل کر جو نیا موقف اختیار کر رہا ہے اس پر بھی ضرور آپ کی نظر ہے۔ صومالیہ اور یمن کے ڈرامے بھی آپ کے مشاہدے میں آچکے ہیں۔

بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ آج جو کوئی بھی پاکستان کی حاکمانہ ذمہ داریاں سنبھالے ہوتے ہے وہ تلوار کی دھار پر چل رہا ہے۔ اگر دائیں جھکے تو اُدھر دھڑام، بائیں طرف زور ڈالے تو اُس طرف چکنا چور، اور اضطرابی انداز سے حرکت کرے تو تلوار دو ٹکڑے کر دے گی۔

خوش قسمت شاید وہی لوگ ہوں گے جو اِدھر اُدھر سرک گئے ——— مگر تحفظ و استحکامِ ملت

کے جہاد سے یہ فرار ہے بڑا خوفناک ۔

---

رہ گئے وہ دیوانے جنہوں نے اس لمحے پاکستان کو دردناک ادوار میں یہ پکارتے سُنا کہ "درکار ہیں دیوانے چند" ۔۔۔ تو انہوں نے اپنے سیاسی مستقبل سے بے پروا ہو کر لبیک کہہ دی کہ اے اسلامی نظام کے لیے وقف شدہ سرزمین ، ہم تیرے سات کروڑ باشندوں کی فلاح و بہبود کے لیے خطرناک حالات کے تھپیڑے کھانے کو حاضر ہیں ۔

اس وقت کی وزارت کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ ملت کی کشتی بپھرے ہوئے گہرے پانیوں میں ہے ۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے اپنے فوجی رفقاء کے ساتھ ایک سال تک موج و گرداب و نہنگ سے لڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ مگر مصیبت اتنی ہی نہیں کہ طوفانوں سے معرکہ ہے ، بلکہ مہا مصیبت جس کی وجہ سے جنرل صاحب نے سیاسی عناصر کی عبوری حکومت قائم کرنا ضروری جانا ۔ یہ ہے کہ خود اس کشتی کے مسافروں کی ایک تعداد ایسی ہے کہ کبھی وہ کشتی کے تختے اکھیڑنے میں لگ جاتی ہے ، کبھی وہ دھما چوکڑی مچا دیتی ہے ، اور ان سے بڑھ کر ستم ظریف وہ ہیں جو جمہوریت کے ایسے والہ و شیدا دکھائی دیتے ہیں کہ وہ طوفانوں سے لڑنے اور کشتی کو بچانے کے لیے اس وقت تک کوئی بھلائی نہیں کرنا چاہتے جب تک نازنینِ جمہوریت کشتی میں جلوہ فرما نہ ہو جائے اور خود وہی اشارہ نہ کرے کہ ہاں ہاں اے میرے پرستارو ! کشتی کو اور اس کے مسافروں کو خطرے سے بچا نکالو ۔ فی الحال یہ حضرات سبکسارانِ ساحل کے معزز منصب پر فائز ہیں ، اور وہاں سے بھی کسی دعائے خیر کے بجائے کشتی کے ملاحوں پر کلوخ اندازی اور دشنام طرازی فرما رہے ہیں ۔ یہ اپنے اپنے شاندار مستقبل کی گٹھڑیاں کاندھے پر ڈالے ہزار جی جان سے اس حادثے کے منتظر ہیں کہ موجودہ ملاح ناکام ہوں ، ان کے بازو شل ہو جائیں ، یہ لوگ پانی میں گر جائیں ، کشتی ڈولنے لگے اور شارک مچھلیاں اس کے ارد گرد منڈلانے لگیں ، پھر یہ اپنی خدمات پیش کریں گے ۔

یہ ہیں وہ لوگ ، جن کا ایک بڑا حصہ پکار پکار کر طوفانی کشتی کے ملاحوں سے کہہ رہا ہے کہ تم لوگ عہدوں کے بھوکے تھے ۔ تم کرسیوں کو ترس رہے تھے ، تم مال بنانا چاہتے ہو ، تم کمانے

کے لیے گئے ہو، اور تم قوم کے نمائندے نہیں ہو۔

حالانکہ حالات کا جو خوفناک نقشہ سامنے ہے، وہ تو تقاضا کرتا ہے کہ ہر طرف سے تمام قوتیں سمٹ کر اس مشکل مرحلے سے پاکستان کو بخیریت نکال کر ترقی کے اس راستے پر ڈال دیں، جو اسلام کے اصول و مقاصد سے متعین ہوتا ہے۔ آج تو ضرورت ہے کہ بوڑھے اور بچے بھی نوجوان بن کر آگے بڑھیں اور اپنا بھرپور تعاون اس قوت کے گرد جمع کر دیں، جو طوفانی موج و گرداب سے ملت کی کشتی کو بچا نکالنے کے لیے اپنا سارا سیاسی کیریئر داؤں میں لگا کر ادائے فرض کے لیے اُٹھی ہے۔ اس وقت قوم کی ذمہ داریاں اُٹھانے والے لوگ ہمدردی اور محبت کے مستحق ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے لیڈر فنِ افتراق کے ماہر ہیں، اور اتحاد و تعاون یا اختلاف کے باوجود قدر و احترام کا اونچا اخلاق اُن میں پیدا نہ ہو سکا۔

جمہوریت بڑی اچھی چیز ہے، مگر اسی صورت میں جب کہ صاف ستھری جمہوریت قائم ہو سکے، اور موجودہ حکومت کا ایک واضح مقصد یہ ہے کہ دیانتدارانہ انتخابات کے راستے سے حقیقی جمہوریت کو لانے کی تدابیر کی جائیں۔ اگر محض جمہوریت کا ڈرامہ ہی رچانا ہو تو ابھی ابھی ہم نے سات سال تک جس جمہوریت کو بھگتنا ہے، اس سے ہزار بار توبہ!

سچی جمہوریت کے قیام سے پہلے اگر کوئی مصیبت وارد ہو جائے تو محبانِ دین و وطن یہ کہہ کر ٹھسے سے بیٹھے نہیں رہتے کہ جب جمہوریت قائم ہو گی تو ہم مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلیں گے۔ خدانخواستہ کہیں آگ لگ جائے تو کہیے گا کہ پہلے جمہوریت کا کنواں کھودو، اس کے پانی سے ہم آگ بجھائیں گے۔ کوئی فوجی حکومت یا فوجیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والی حکومت ہمیں پکارے گی تو ہم آگ بجھانے کبھی نہ آئیں گے۔ جمہوریت کا عقیدہ تو توحید و رسالت کے ایمان سے بھی آگے چلا گیا، اور اس کا مرتبہ تو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے بڑھ گیا۔ اسلام کی طرف سے تو آپ نے کوئی شرط نہ لگائی۔

بات صرف ایک سال کی تھی۔ اگر آپ ایمان بالجمہوریت کی وجہ سے تعاون نہیں کر سکتے تھے تو کم سے کم مخالفت نہ کرتے۔ آپ کا خاموش تماشائی بن کر دیکھنا بھی باعث خیر و برکت ہوتا۔

---

اب کچھ باتیں نو گرفتارانِ حکومت سے!

حکومت چونکہ کسی ایک جماعت کی نہیں، اس میں قومی اتحاد کی وہ مضبوط جماعتیں بھی ہیں جو جماعتوں کی "شٹنگ" کے دوران اپنی جگہ ثابت قدم رہیں، اس میں غیر جماعتی افراد بھی شامل ہیں، اور اس کی سربراہی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کر رہے ہیں۔ لہٰذا میرا روئے سخن کسی خاص جماعت کے افراد کی طرف نہیں ہے بلکہ سب کی طرف ہے۔

یہ جاننے کے باوجود کہ میں کوئی فاضل آدمی نہیں، مجھے غیر معمولی بصیرت حاصل نہیں، میں کبھی مرکزِ توجہات نہیں رہا، میری آراء اور مشوروں کو کسی سطح پر یا کسی دائرے میں کوئی خصوصی اہمیت حاصل نہیں، یہ بھی ضروری نہیں کہ ترجمان القرآن کے اشارات کے صفحات اہم حلقوں میں پڑھے جاتے ہوں ـــــ پھر بھی میں اگر بار بار کچھ باتیں سوچتا اور لکھتا ہوں تو اس کا محرک صرف یہ احساس ہوتا ہے کہ میں اپنا جو بہتر بن حصہ ملک و ملت کی فلاح کے لیے ادا کر سکتا ہوں، اس کا ادا کرنا خدا کے احکام کے تحت میرے ضمیر کی نگاہ میں ضروری ہے۔ میں نے نہ کبھی اونچی جگہوں تک پہنچنے کا شوق کیا، نہ بڑے لوگوں سے باتیں کرنے یا انہیں باتیں سنانے کا مجھے خبط ہے، نہ میں اپنی پبلسٹی کا جنون رکھتا ہوں اور نہ میں اپنے لیے کسی طرح کی بڑائی کا متلاشی رہا ہوں۔ بس میری مجبوری یہ ہے کہ خیالات کے قافلے میرے ذہن سے گذرتے ہیں۔ اُلجھے ہوئے مسائل کے حل میرے سامنے آتے رہتے ہیں، اور ایک مسلم انقلابی کی حیثیت سے سوچنے کا ایک تخلیقی عمل میرے اندر جاری رہتا ہے۔ اس ذہنی حرکت کے ماحصل کو اس خوف سے تلف کر دینا زیادتی ہے کہ میں اپنی بات اہم جگہوں تک پہنچانے، یا موزوں حلقوں میں انہیں تسلیم کرانے کے لیے الٹی سیدھی تدابیر نہیں کر سکتا میرا طریقہ سادہ اور براہِ راست ہے، جو کچھ کہنا ہو مناسب صورت میں کہہ دیا۔ کوئی سنے یا نہ سنے اور کوئی مانے یا نہ مانے، لوگوں کے دلوں اور دماغوں کی باگ ڈور مجھے نہیں سونپی گئی ہے۔ میں تو صرف ملت کے بہبود فنڈ میں اپنا چندہ شامل کر رہا ہوں۔

اس جملہ معترضہ کی طوالت پر معذرت کے ساتھ پہلی بار مجھے نئی وزارت سے یہ بات کہنی ہے۔ کہ آج جب کہ میں یہ سطور لکھنے بیٹھا ہوں، آپ کو اقتدار میں آتے ہوئے ۲۵ روز ہو چکے ہیں، یعنی آپ کی قلیل سی مہلتِ کار کا تقریباً ۱/۴ حصہ ختم ہو چکا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان ۲۵ دنوں کی

کارگذاری کی کیا رپورٹ آپ کے پاس ہے اور اندر ہی اندر آپ نے کیا کام کر لیے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اخبار و احوال کے دکھائی دینے والے ڈائل پہ کیا تبدیلی آئی ہے، یا قومی زندگی کے نیوز بورڈ پہ کن تازہ اطلاعات کا اندراج ہوا ہے۔ بلکہ آپ ایک طرح کے محاذِ جنگ پہ ہیں، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کنٹرول روم کے نقشۂ جنگ میں آپ کی پیشقدمی کا ریکارڈ کیا ہے؟

اس سوال کو اگر سادہ سیاسی زبان میں بیان کرنا ہو تو میں جاننا چاہوں گا کہ حکومت کی باطنی یا داخلی سرگرمیوں کے لحاظ سے آپ نے پالیسیاں طے کرنے یا طویل المیعاد خاکے تجویز کرنے کا جو بھی کام کیا ہو، اُسے درکنار رکھ کر یہ فرمایئے کہ عوام کے سامنے کونسا نیا اقدام یا فیصلہ آپ نے ایسا پیش کیا ہے جس سے ہر شخص یہ محسوس کر لیتا کہ فلاں سمت میں تبدیلی کا آغاز ہو گیا ہے۔

بدقسمتی سے مجھے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ عوام کے سامنے سیاست کا جو سکرین پھیلا ہوا ہے، اور جسے وہ بار بار پلٹ کر دیکھ لیتے ہیں، اس پہ تو ابھی کوئی جلوہ منعکس نہیں ہوا۔ یہ اچھا نہیں!

یہ تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ اسلامی نظام اور جمہوریت اور خوش حالی کے وعدوں کے ساتھ گذشتہ وعدہ فراموشوں اور وعدہ فروشوں نے اپنے کرتوتوں سے جس طرح عوام کو پریشان کیا ہے، اس کے باوجود ابھی تک بہ حیثیت مجموعی قوم احترام و عقیدت سے موجودہ دورِ خاموشی سے اچھی اُمیدیں لگائے بیٹھی ہے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مخالف عناصر نے لوگوں میں یہ پروپیگنڈہ کرنا بھی شروع کر دیا ہے کہ جیسے پہلے لوگ وعدوں میں کئی کئی سال گذار گئے ہیں یہ لوگ بھی دیکھتے دیکھتے اپنا اُلو سیدھا کر کے لے جائیں گے۔

---

تبدیلی لانے والی حکومتوں کی قوت کا انحصار اس بات پہ ہوتا ہے کہ وہ زیرِ سطح پالیسیوں اور پروگراموں کی تشکیل نو کرتے ہوئے، عوام کے سامنے بھی محسوس ہونے والے (باقی بر صفحہ ۴۰)

# تعزیراتِ اسلام

جناب مولانا قاضی بشیر احمد صاحب - باغ - آزاد کشمیر

## (۱۱)

تشریح م۱۲ (ل)

احکام صلح -

۱- صلح کرنے سے قصاص ساقط ہوگا اور مال صلح واجب الادا ہوگا[۱]

۲- صلح کرنے کا حق انہی اولیاء کو حاصل ہوگا جن کو قصاص لینے کا حق حاصل ہوگا -

۳- اگر بعض اولیاء مقتول، قصاص معاف کریں اور بعض مال پر صلح کریں اور بعض دیت کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں معاف کرنے والوں کو کچھ نہ ملے گا کیونکہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے - اور صلح کرنے والوں کو مالِ صلح ملے گا اور دیت کا مطالبہ کرنے والوں کو ان کے حصہ کی دیت دی جائے گی[۲]

۴- اگر مجنون کو قصاص کا حق حاصل ہو، خواہ قصاص نفس کا ہو یا ما دون النفس (یعنی نفس سے کم) کا - (مثلاً مجنون کے بیٹے کو کسی نے قتل کر دیا ہو یا مجنون کا کسی نے ہاتھ کاٹ دیا ہو) تو اس کے باپ یا دادا کو اختیار ہوگا کہ وہ مجنون کی جانب سے قصاص لیں، اور

---

[۱] عالمگیری کتاب الجنایات باب الصلح والعفو -

[۲] ایضاً

اس کو صلح کرنے کا بھی اختیار ہوگا البتہ وہ معاف کرنے کا مجاز نہ ہوگا[۱]

۵۔ مجنون کے وصی کو بھی اختیار ہوگا کہ وہ مجنون کے نائب کی حیثیت سے نفس سے کم میں قصاص لے۔ اور وہ قصاص نفس اور نفس سے کم، دونوں میں صلح کرنے کا بھی مجاز ہوگا۔ البتہ وہ ان دونوں اقسام میں سے کسی کو معاف نہیں کر سکتا[۲]

۶۔ نابالغ کو بھی مجنون کی طرح قصاص کا حق پہنچتا ہو تو اس کے باپ اور وصی کو بھی اسی طرح کے اختیارات حاصل ہوں گے جو مجنون کے باپ اور وصی کو حاصل ہوتے ہیں[۳]

۷۔ مجنون یا نابالغ کی جانب سے صلح کرنے کی صورت میں ضروری ہے کہ مال صلح بمقدار دیت ہو۔ اگر کم ہو تو اس کو کامل دیت کی مقدار تک پورا کر کے ادا کیا جائے گا[۴]

درحقیقت باپ اور وصی وہ کام کرنے کے پابند ہیں جو نابالغ اور مجنون کے حق میں بہتر ہو اس لیے مقدار دیت سے کم مال قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں نابالغ یا مجنون کی بہتری نہیں ہے۔

۸۔ صغیر کا وصی دیت کی مقدار سے کم مال پر اسی صورت میں صلح کرنے کا مجاز ہوگا جب کہ قاتل جرم سے انکاری ہو۔ اور وصی قتل ثابت کرنے سے عاجز ہو[۵]

۹۔ مالِ صلح خود قاتل کے ذمہ واجب الاداء ہوگا۔ اس کی عاقلہ پر واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر وہ اپنی رغبت سے ادا کریں تو اُن سے لیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ " قتل عمد میں وارث پر دیت کی ادائیگی واجب نہیں ہے اور نہ ہی ان پر صلح یا اعتراف جرم کی صورت میں عائد ہوگی اور غلام کے قصور میں بھی ان پر دیت لازم نہیں ہوگی"[۶]

---

[۱] ردالمحتار ص ۳۵۷ جلد ۵ [۲] ایضاً

[۳] ایضاً قصاص نفس میں صلح کا جواز راجح قول کی بناء پر ہے ص ایضاً۔

[۴] ایضاً والبحر ص ۳۴۱ ج ۸ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت۔

[۵] ردالمحتار ص ۳۵۸ ج ۵ [۶] الموطاء امام محمد۔ دیت العمد۔

۱۰۔ مقتول کی موت سے قبل یا بعد ولی صلح کر سکتا ہے اور خود مجروح بھی صلح کر سکتا ہے لیکن مجروح کی صلح کرنے کی صورت میں اسی تفصیل کا لحاظ کیا جائے گا، جس کا عفو کے اندر مجروح کے معاف کرنے کی صورت میں اوپر تشریح نمبر ۱ (د) میں ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱۔ قتل عمد میں صلح بمقدار دیت ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اتنی زیادہ یا کمی نہ ہو جو عرفاً مال نہ ہونے کے برابر ہو۔ ورنہ کامل دیت واجب ہو جائے گی[۱]

۱۲۔ مال صلح کی ادائیگی کا اگر فریقین نے وقت مقرر نہ کیا ہو مال صلح فی الحال واجب الادا ہوگا[۲]

۱۳۔ قتل خطاء میں اگر صلح، دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک پر ہو جن کا تعین شریعت نے کر رکھا ہے تو اس صورت میں شرط یہ ہے کہ مال صلح اس نوع کی مقدار سے زائد نہ ہو[۳]

تمثیل:۔ شریعت نے قتل خطاء میں سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم دیت مقرر کی ہے تو اب دو سو اونٹ یا دو ہزار دینار یا پندرہ ہزار درہم پر صلح جائز نہ ہوگی۔

۱۴۔ اگر متعینہ انواع دیت کے علاوہ کسی اور مقدار مال پر صلح ہو تو اس میں بھی کمی بیشی جائز ہے بشرطیکہ مال پر اسی مجلس میں قبضہ کیا جائے[۴]

تشریح نمبر ۱۲ (ب)

عمد اور خطاء کی دیت میں یہ فرق اس لیے ہے کہ قصاص درحقیقت حق مال نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے بدلے میں مال صلح کی مقدار میں زیادتی ربوا نہیں کہلائے گی۔ بخلاف قتل خطاء کے کہ اس میں سزائے دیت متعین ہے۔ اور یہ حق مالی ہے۔ لہٰذا اس کے مقابلہ میں صلح

---

[۱] ہدایۃ ص ۲۴۷ - ۲۴۸ ج ۳

[۲] عالمگیری باب الصلح والعفو۔

[۳] ہدایۃ ص ۲۴۸ ج ۳ و الدر المختار کتاب الصلح۔ [۴] ایضاً

ہیں مال کی زیادتی اسی نوع کے اندر ربوا ہو گی [۱]

نشر بیع ۱۲ (ج)

صلح کا ثبوت قرآن وسنت سے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " پھر جس کو معاف کیا جائے اپنے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری کرنی ہے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہیے اس کو خوبی کے ساتھ "

(البقرہ)

اس آیت میں اپنے بھائی کی جانب سے کچھ معافی کا ذکر ہے یعنی قصاص تو اس نے معاف کر دیا۔ البتہ ولی قصاص اب دیت کا مطالبہ کرتا ہے تو قاتل کے لیے " اداء الیہ باحسان " کا ذکر ہے۔ یعنی وہ مال ولی مقتول کو حسنِ سلوک کے ساتھ ادا کرے اس میں اس کو تنگ نہ کرے اور مال لے کر قصاص کا حق چھوڑنا۔ یہ صلح ہی ہے [۲]

۲۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " جو شخص دوسرے کو قتل کرے وہ اولیاء مقتول کے حوالے کیا جائے گا۔ وہ چاہیں تو اس کو قصاص میں قتل کریں اور چاہیں تو دیت وصول کر لیں " [۳]

اس حدیث میں دیت کے بدلے قصاص کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ صلح کی صورت ہے۔

۳۔ ہدبہ بن خشرم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس پر سعید بن العاص اور حضرت حسن اور حضرت حسین علیہ السلام نے مقتول کے بیٹے کو دیت پر راضی کرنا چاہا۔ لیکن وہ انکاری ہو گیا۔ اس پر قصاص میں قاتل کو قتل کیا گیا [۴]

۴۔ ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے " مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيرَتَيْنِ بَيْنَ اَنْ يَقْتُلُوا اَوْ يَاْخُذُوا الْعَقْلَ [۵]

---

[۱] ہدایہ ص ۲۴۸ ج ۳ [۲] البدائع ص ۲۴۷ ج ۷

[۳] المغنی ص ۲۷۷ ج ۹ [۴] ایضاً [۵] ایضاً

اس حدیث میں اولیاء مقتول کو دو بہتر چیزوں سے ایک کے انتخاب کرنے کو کہا گیا ہے۔ یعنی وہ چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت وصول کریں اور دیت لے کر قصاص کے حق کو ترک کرنا صلح ہے۔

تشریح ۱۲ (د)

لاوارث کی طرف سے حاکم مجاز باپ کے قائم مقام ہوگا۔

لاوارث کا ولی حاکم مجاز ہوگا اور اس کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو باپ کو حاصل ہوتے ہیں یعنی وہ قصاص لینے اور صلح کرنے میں مجاز ہوگا اور معاف کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔[۱]

**تمثیل**:- ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا۔ اور مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے جو قصاص کا مطالبہ کرے تو ایسی صورت میں مجہول کی جانب سے قصاص متعذر ہوگا۔ لہٰذا حاکم مجاز ولی کے قائم مقام ہوگا۔ اور اس کو مقتول کے باپ کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ ایسی صورت میں قصاص کا مطالبہ مجہول کی جانب سے نہ ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے "السلطان ولی من لا ولی له" یعنی امیر المومنین (یا جس کو امیر اختیارات تفویض کرے) اُس شخص کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو ہرمزان ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے باہر نکلا۔ آپؓ کے صاحبزادے حضرت عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اُس کو اس حالت میں دیکھا تو گمان کیا کہ یہی میرے والد کا قاتل ہے اور اس گمان پہ اس کو قتل کر دیا۔ پھر اس کا مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس دائر ہوا۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ عبید اللہ رضؓ کو قصاص میں قتل کریں۔ تو حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا کہ مقتول چونکہ ہمارے ملک کا ہے (جس کا کوئی ولی نہیں ہے) لہٰذا اس صورت میں، میں خود اس کا ولی ہوں اور میں دیت پہ صلح کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی پہ فیصلہ ہوا۔[۲]

---

[۱] رد المحتار ص ۲۵۷ ج ۵۔

[۲] البدائع ص ۲۴۵ ج ۷۔

اس سے معلوم ہوا کہ لاوارث کا ولی حاکمِ مجاز ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حاکم صلح کر سکتا ہے مگر قصاص معاف نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ لاوارث کا حق قصاص دراصل تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ اُس کی وراثت بھی انہی کو پہنچتی ہے۔ اس لیے دوسرے کے حق کو حاکم معاف نہیں کر سکتا۔[۱]

تشریح ۱۳

قصاص اور دیت میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے میں فقہاء کا نقطۂ نظر۔

قتل عمد میں اگر جرم موجب قصاص ہو تو قصاص کی سزا ہی واجب ہوگی الّا یہ کہ ولی قصاص اپنا حق دیت لے کر ترک کر دے اور قاتل دیت ادا کرنے پر راضی ہو، تو قصاص ساقط ہوگا۔

درحقیقت اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اور مذکورہ بالا حکم امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے، جس کی تائید امام مالک رحمہ اللہ علیہ بھی کرتے ہیں جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اولیاء قصاص کو سزا میں اختیار ہے۔ لہٰذا وہ قصاص اور دیت میں سے جس سزا کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اُن کے نزدیک دیت کی ادائیگی میں قاتل کی رضا ضروری نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی" اس آیت میں قتل کے بدلے صرف قتل کا حکم ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اگر جرم موجب قصاص ہو تو صرف قصاص کی سزا ہی متعین ہے۔ جس کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو آپؐ نے ربیعہ کے واقعۂ قتل میں فرمایا تھا۔ یعنی یہ کہ "کِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ" اس کے راوی انس بن مالکؓ ہیں۔[۲] آپؐ نے قتل میں صرف قصاص کو ہی متعین فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "العمد، قودٌ اِلَّا اَنْ یَعْفُوَ ولی المقتول"[۳] اس حدیث سے بھی معلوم

---

[۱] البدائع ص ۲۴۵ ج ۷

[۲] احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۱ [۳] ایضاً ص ۱۵۰ جلد ۱

ہوا کہ قتل عمد میں سزا صرف قصاص متعین ہے۔ قصاص اور دیت میں اختیار نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں فرمایا۔ "فَاَهْلُهٗ بَیْنَ خِیَرَتَیْنِ اِنْ اَحَبُّوْا قَتَلُوْا وَاِنْ اَحَبُّوْا اَخَذُوْا الْعَقْلَ" یعنی اولیاء مقتول کو اختیار ہے کہ اگر چاہیں تو مجرم کو قتل کر دیں یا چاہیں تو دیت وصول کر لیں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء مقتول قصاص اور دیت دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ سزا متعین نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو قتل کر دیا تو قاتل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولی مقتول کے حوالے کیا۔ اور پھر ولی سے فرمایا۔ کیا تو دیت لے گا؟ اس نے کہا۔ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا! کیا تو خیال نہیں کرتا کہ اگر تو اس کو قتل کر دیتا تو اسی جیسا ہوتا۔ اس پر وہ چلا گیا۔ اور لوگوں نے اس کو جا لیا۔ اور انہوں نے اس کو کہا کہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور نہیں کرتا کہ " اگر تو اس کو قتل کرتا تو اسی جیسا ہو جاتا"

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ ولی کو قصاص اور دیت میں اختیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے دونوں چیزوں کا سوال کر کے ولی مقتول کی رضا معلوم کی جس سے ظاہر ہے کہ سزا دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔

احنافؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایات سے قاتل کی رضا کے بغیر دیت کی سزا کا ثبوت نہیں ہوتا۔ چنانچہ پہلی روایت میں یہ احتمال موجود ہے کہ دیت کی وصولی قاتل کی رضا پر موقوف ہے۔ اور رضا کا اگرچہ ذکر موجود نہیں ہے لیکن مراد وہ بھی ہے جس کو مخاطب کے علم کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں " فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً" اس جگہ فدیہ قیدی کی رضا پر موقوف ہے لیکن مخاطب کے علم کی وجہ سے اس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ" بنی اسرائیل میں قتل کے بدلے صرف قتل کی سزا تھی۔ اور ان کے لیے دیت کی سزا نہ تھی۔ لیکن اس امت پر اللہ تعالیٰ

نے تخفیف کی ہے کہ قصاص اور دیت دونوں سزائیں مقرر کی ہیں۔" اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس امت کے لیے تخفیف کے طور پر قصاص کے علاوہ دیت کی سزا بھی ہے۔ یہاں دیت کا ذکر کر کے بنی اسرائیل کے قانون سزا سے امتیاز پیدا کر دیا گیا۔ البتہ رضا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مگر مراد وہ بھی ہے۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت اوزاعیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے جو روایت نقل کی ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ "مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيْلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا أَنْ يَقْتُلَ وَإِمَّا أَنْ يُفَادِيَ" اس روایت سے قتل اور دیت میں اختیار ثابت ہوتا ہے مگر دیت کے لیے لفظ "يُفَادِي" فرمایا گیا۔ اور "مفاداۃ" کا لفظ دو چیزوں کی شرکت کے لیے آتا ہے۔ جیسا کہ لفظ مقاتلہ ہے جو باہم جنگ کرنے کے لیے آتا ہے۔ یا جیسا لفظ "مشاتمۃ" ہے جو ایک دوسرے کو گالیاں دینے کے لیے آتا ہے۔ جب لفظ "مفاداۃ" دوسرے کی شرکت کو چاہتا ہے تو اس کا حاصل یہی ہے کہ دیت کے لیے دوسرے شخص کی رضا ضروری ہے۔ یعنی قاتل کی رضا کے بغیر دیت کی سزا نہ دی جائے گی۔

اسی طرح دوسری حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قاتل کی رضا کے بغیر دیت کی سزا دی جائے گی۔ بلکہ یہاں بھی دیت کی سزا اس کی رضا پر موقوف ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپؐ نے ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو کہا تھا، جب کہ اس نے خاوند کی شکایت کی تھی۔ یہ کہ "کیا تو اس (خاوند) کو باغ واپس کر دے گی؟" اس نے کہا۔ ہاں۔ اس حدیث سے بھی اگرچہ باغ لے کر خاوند کی رضا پہ نسبت طلاق ظاہر نہیں ہے۔ لیکن مراد وہ بھی ہے اس لیے کہ آپؐ نے اس کی رضا کے بغیر طلاق کو لازم نہیں کیا تھا۔[1]

(باقی)

---

[1] مکمل بحث دیکھیے احکام القرآن للجصاص ص ۱۵۵ ج ۱ و لمعات کتاب القصاص و تفسیر مظہری ص ۱۶۵ - ۱۶۶ ج ۱ مطبوعہ ندوۃ المصنفین۔

نعمتوں کا ایک دسترخوان پھیلا دیا گیا ہے جو اُسے نفع پہنچاتا ہے اور اُسے نشوونما پانے اور پھلنے پھولنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی اپنی نوع کے افراد جو اس کے دست و بازو بنیں۔ اس کی اپنی جنس جو اس کی نسل کو قائم رکھے، اُس کے اپنے ارادے جو اُس کی حمایت اور پشت پناہی کریں۔ پھر زمین سے غذا کے اُبلتے ہوئے ذخیرے جن کو فراہم کرنا اُس کے اپنے بس سے باہر تھا اور جو لامتناہی ہیں۔ یہ سارے سروسامان اُس کے آنے سے بھی پہلے سے موجود ہیں۔ اور اُس کے بعد بھی موجود رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا کارخانہ ایک ایسے ربّ کریم نے جاری کیا ہے۔ جو نہایت درجہ قادر، حکیم و دانا اور مشفق و مہربان ہے۔ یہ اُس کی برکتوں کا ہی ظہور ہے کہ تمام مخلوقات کا رزق فراوانی کے ساتھ ہر سو پھیلا ہوا ہے اور ان مہربانیوں اور بندہ نوازیوں کے لیے اپنی مخلوقات کی عبودیت اور شکرگذاری کی مستحق بھی وہی ایک ذاتِ پاک ہے۔ اس سے انحراف ظلمِ عظیم ہے اور اس کے احسانات کے اعتراف سے پہلوتہی زبردست ناشکری ہے۔

سورۃ حٰمٓ سجدہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کافر اس خدا سے کفر کرتے اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں جس خدا نے زمین کو چار دنوں میں بنا دیا تھا اور جو سارے جہانوں کا پالنے والا ربّ ہے۔ جس نے زمین کو پیدا کر کے اس پر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور سارے سائلین کے لیے ان کی طلب و ضرورت کا سامان اس کے اندر فراہم کر دیا۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ۔ (سورہ حٰم سجدہ ۱۰)

ترجمہ: "(زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اُوپر سے اُس پر پہاڑ بنا دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں۔ اور اس کے اندر حاجت مندوں کے لیے ہر ایک کی حاجت و طلب کے مطابق ٹھیک اندازے سے سامانِ زیست رکھ دیا اور یہ سارا کام چار دن میں ہو گیا۔"

مالک کی وسعتِ رزاقیت و ربوبیت کا اندازہ کیجیے کہ پیدائش کے وقتِ اوّل سے لے کر قیامت تک جو جو مخلوقات وجود میں آنی تھی اور کائنات کا مالک اپنی قدرتِ کاملہ سے جو جو مخلوق پیدا کرنے والا تھا ان میں سے ہر ایک کی مانگ اور حاجت کے مطابق ہر ایک کی غذائی اور

نعمتوں کا ایک دسترخوان پھیلا دیا گیا ہے جو اُسے نفع پہنچاتا ہے اور اُسے نشوونما پانے اور پھلنے پھولنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی اپنی نوع کے افراد جو اس کے دست و بازو بنیں۔ اس کی اپنی جنس جو اس کی نسل کو قائم رکھے، اُس کے اپنے اِرادے جو اُس کی حمایت اور پشت پناہی کریں۔ پھر زمین سے غذا کے اُبلتے ہوئے ذخیرے جن کو فراہم کرنا اُس کے اپنے بس سے باہر تھا اور جو لامتناہی ہیں۔ یہ سارے سروسامان اُس کے آنے سے بھی پہلے سے موجود ہیں۔ اور اُس کے بعد بھی موجود رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا کارخانہ ایک ایسے ربِّ کریم نے جاری کیا ہے۔ جو نہایت درجہ قادر، حکیم و دانا اور مشفق و مہربان ہے۔ یہ اُس کی برکتوں کا ہی ظہور ہے کہ تمام مخلوقات کا رزق فراوانی کے ساتھ ہر سو پھیلا ہوا ہے اور ان مہربانیوں اور بندہ نوازیوں کے لیے اپنی مخلوقات کی عبودیت اور شکرگذاری کی مستحق بھی وہی ایک ذاتِ پاک ہے۔ اس سے انحراف ظلمِ عظیم ہے اور اُس کے احسانات کے اعتراف سے پہلوتہی زبردست ناشکری ہے۔

سورۃ حٰم سجدہ میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کافر اُس خدا سے کفر کرتے اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہیں جس خدا نے زمین کو چار دنوں میں بنا دیا تھا اور جو سارے جہانوں کا پالنے والا رب ہے۔ جس نے زمین کو پیدا کر کے اس پر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور سارے سائلین کے لیے ان کی طلب وضرورت کا سامان اس کے اندر فراہم کر دیا۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ۔ (سورہ حٰم سجدہ ۱۰)

ترجمہ: "(زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اُوپر سے اُس پر پہاڑ بنا دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں۔ اور اُس کے اندر حاجت مندوں کے لیے ہر ایک کی حاجت و طلب کے مطابق ٹھیک اندازے سے سامانِ زیست رکھ دیا اور یہ سارا کام چار دن میں ہو گیا۔"

مالک کی وسعتِ رزاقیت و ربوبیت کا اندازہ کیجیے کہ پیدائش کے وقتِ اوّل سے لے کر قیامت تک جو جو مخلوقات وجود میں آنی تھی اور کائنات کا مالک اپنی قدرتِ کاملہ سے جو جو مخلوق پیدا کرنے والا تھا ان میں سے ہر ایک کی مانگ اور حاجت کے مطابق ہر ایک کی غذائی اور

جسمانی ضروریات کا سامان پہلے سے اس زمین کے اندر مہیا کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ مختلف مخلوقات کی ضروریات باہمی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ہر ایک کی غذا اور ضرورت علیحدہ ہے کسی کو خشکی مطلوب ہے اور کسی کو تری درکار ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ذوقِ غذا دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن مالک وخالق و پروردگار نے اپنے منصوبۂ تخلیق و پرورش میں ان سب کی ضروریات کا اہتمام ان کی پیدائش سے بھی بہت پہلے مہیا کر رکھا ہے اور جو مخلوق جب بھی کرۂ ارض پر ہستی کا جامہ پہن کر نمودار ہوتی ہے۔ اُسے اپنا رزق اور اپنی ہستی کی تمام دیگر ضروریات پہلے سے تیار مل جاتی ہیں اور رزق کا یہ سلسلہ یوں گردش میں رہتا ہے کہ اُس سے کوئی بھی محروم نہیں رہتا۔ ہر ذی روح کو جہاں جہاں وہ ہے اور جس جس حالت میں ہے اُس کا رزق اسے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس سے زیادہ جامع اور کامل ربوبیت اور پرورش کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

سورہ العنکبوت میں فرمایا گیا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۚ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (العنکبوت - ۶۰)

ترجمہ:۔ "کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اُٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ان کا رزق دیتا ہے اور تمہارا بھی وہی رازق ہے وہ سب کچھ سُنتا اور جانتا ہے"۔

اللہ کے راستے میں اس کے دین کی خاطر جدوجہد کرتے ہوئے ایک مومن مختلف مراحل سے گذرتا ہے۔ کبھی اُسے فراہم شدہ وسائلِ رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور کبھی اُسے گھر بار سے ہی نکال دیا جاتا ہے۔ تاریخِ انسانی میں اشرار اور مخالفینِ حق ہمیشہ مزاحمت کی بڑی سے بڑی کارروائیاں کرتے رہے ہیں تاکہ علمبردارانِ حق اپنے مقصد اور کام سے باز آجائیں۔ ان مخالفانہ کارروائیوں میں انہیں وسائلِ رزق سے محروم کرنا۔ ان کے بال بچوں کو ان کی سرپرستی سے اور خود ان سے رزق کی سہولتیں چھین لینا خصوصاً شامل رہا ہے۔ کبھی کاروبار تباہ کرکے اور کبھی گھر بار چھڑوا کر۔ ایسی صورت میں ایک بندۂ مومن اس ذہنی مغالطے میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ اُس کے رزق کا معاملہ خود اس سے ہی نہیں بلکہ اُس کے کنبے اور خاندان سے بھی تعلق رکھتا ہے اور وہ بہت سی تاویلیں حق کے کام سے پہلو تہی کی سوچنے لگتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ وہ کونسا جاندار ہے جو اپنا رزق اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے اور اپنے زور اور اپنی قوت سے خود رزق حاصل کرتا ہے ۔ یہ رزق تو اُس کا خدا ہی ہے جو اُسے دیتا ہے ۔ اگر وہ کیڑوں، مکھیوں، مچھروں اور جھینگوں کا رازق ہے تو تم تو ان سے بہت زیادہ اس بات کے حق دار ہو کہ تمہیں رزق مہیا کیا جائے ۔ اگر تم اپنے مالک کی خاطر اُس کی معلوم اور معروف رضا کے لیے باطل کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ جو رب العالمین ہے وہ تمہیں ضرور پالے گا اور تم راہ حق میں جدھر جدھر جاؤ گے تم اپنے رب کا وسیع دسترخوان ہر جگہ اپنے سامنے پھیلا ہوا پاؤ گے ۔ اسی بات کو حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے حواریوں سے کہا تھا ۔ جب دعوت دین کے سلسلے میں ان پر تکالیف آئیں تو بنی اسرائیل نے اُن پر زندگی کی کشادگی تنگ کر دی اس پر حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں سے فرمایا :-

" کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکا کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت ، یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا ۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے ۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں اور کیا پئیں گے اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے ۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں ؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں اور نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں ۔ پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے ۔ کیا تم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے ۔ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے ۔ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو ، جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں ۔ نہ وہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں ۔ پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمانؑ بھی باوجود اپنی شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبّس نہ تھا ۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ، ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا ۔ اس لیے فکر مند نہ ہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے ۔ ان سب چیزوں کی تلاش میں تو غیر قومیں رہتی ہیں ۔ تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو ۔ تم پہلے اُس کی بادشاہی اور اس کی

راست بازی کی تلاش کرو۔ یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔ کل کے لیے فکر نہ کرو۔
کل کا دن اپنی فکر آپ کرے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔"

(بائیبل متی باب ۶ آیات ۲۴ تا ۳۴)

ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جو مشکلات بھی سامنے آئیں انہیں انگیز کیے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور جب انبیاء کرام بھی راہ حق کی آزمائشوں اور مشکلات سے مستثنیٰ نہیں رکھے گئے تو پھر دوسرا کون اُن سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ آخر رخصت چاہنے والوں نے تاریخ میں کب کوئی قلعے فتح کیے اور میدان سر کیے ہیں۔ بر لو دینِ حق کی جدوجہد میں آزمائش کے مرحلے ہی ہوتے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو اپنے سچے بندوں کے درجات کی بلندی مقصود ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی محبت اور عشق کا امتحان دیں اور اس امتحان میں ثابت قدم رہ کر آخرت میں رضائے الٰہی کے بلند درجات پر فائز ہو جائیں۔ ورنہ جہاں تک رزق کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے اور وہ اگر جنگل کے خنزیروں کو ان کی ضرورت اور خواہش کے مطابق رزق دے سکتا ہے تو اپنے بندوں کو اس سے کیوں محروم رکھے گا۔ چونکہ کفار کے لیے صرف چند روزہ دنیا کی زندگانی ہی کل حاصل کائنات ہے اور اس کے بعد اُن کے لیے صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ اس لیے اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں جو آخرت کی زندگی کا کروڑواں حصہ بھی نہیں ہے، انہیں کچھ سہولتیں دے بھی دی جائیں تو یہ کچھ تعجب انگیز بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَلَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ وَزُخْرُفًا وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

(الزخرف۔ ۳۳ تا ۳۵)

ترجمہ:- اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے ہی لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور اُن کی سیڑھیاں جن سے

وہ اپنے بالاخانوں پر چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے وہ تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں سب چاندی اور سونے کے بنوا دیتے ۔ یہ تو محض حیاتِ دنیا کی متاع ہے اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متقیوں کے لیے ہے۔"

گویا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی اس مختصر سی زندگی میں سونا چاندی، جواہرات، مال و دولت اور فراواں عیش و آرام کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے ۔ اگر کفار کے پاس دنیا کے عیش فراواں کو دیکھ کر سارے ہی انسانوں کے کفر کی طرف لڑھک جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو کافروں کے گھر سونے چاندی کے بنا دیے جاتے ، اس لیے کہ ہمیشہ کی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے پھانسی پانے والے مجرم کو پھانسی کا حکم ہو جانے کے بعد دوسرے قیدیوں کے مقابلے میں بعض زائد سہولتیں اور آزادیاں دے دی جائیں اس لیے کہ دوسرے قیدیوں نے تو مدتِ قید کاٹنے کے بعد جیل خانے سے اپنے اپنے گھروں کو چلے جانا ہے اور پھانسی پانے والے نے قبرستان کے مٹی کے ڈھیروں میں جا شامل ہونا ہے اس سے تھوڑی سی رعایت بھی کچھ بعید از انصاف نہیں ہے ۔

رب العالمین کا دسترخوانِ نعمت و رزاقیت و ربوبیت درحقیقت اتنا وسیع اور بلا نہایت ہے کہ اس کا احاطہ تو درکنار اس کا جامع نقشہ ذہن میں لانے سے بھی چشمِ تصور عاری ہے ۔ اگر جانداروں میں اس کی ربوبیت میں سے صرف غذا کے انتظام کو ہی دیکھا جائے تو حیرانی و سرگشتگی سے انسان کا ذہن چکرانے لگتا ہے ، رعب و ہیبت سے غور کرنے والے کی کمر ہمت جواب دے جاتی ہے اور شکر و امتنان کے وفور سے اس کا دل جھک جھک جاتا ہے کہ مالک کی اس فراوانی اور تنوع کا بلاشبہ احاطہ ناممکن ہے ۔ اس تنوع اور افراط کے سامنے انسان گنگ ہو کر رہ جاتا ہے ۔ انسان سے قطع نظر کہ اُسے محدود سے دائرے میں تمیز و اختیار کا ہلکا سا شعور و احساس بھی دیا گیا ہے ۔ اشرف المخلوقات انسان کے علاوہ اس سے کمتر مخلوقات کے لیے جس طرح نعمتوں کا دسترخوان بچھایا گیا ہے وہی اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ اس کائنات کا مالک اپنے سروسامان میں یکتا، اپنے انتظام و اہتمام میں لاجواب، اپنی فیاضی میں منفرد اور اپنی عطا و بخشش میں بے مثال ہے اور وہ عام حیوانات کو بھی اتنا وافر دیتا

ہے اور یوں دیتا ہے کہ کوئی میزبان بادشاہ بھی اپنے مہمانوں کو اتنا کھلا پلا نہیں سکتا اور ان کی ضروریات کا اتنا ہمہ پہلو احساس واہتمام نہیں کر سکتا۔

جنگل کے جانوروں کو ہی لیجیے جو درختوں اور جھاڑ جھنکار کے درمیان کروڑوں کی تعداد میں رہتے ہیں ان میں بڑے سے بڑے جانور شیر، ہاتھی اور گینڈے سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کیڑے مکوڑے تک وہاں آباد ہیں ان میں سے ہر ایک کی غذائی ضروریات مختلف اور الگ الگ ہیں۔ ہر ایک کا ذوق الگ ہے، ہر ایک کی خوراک الگ ہے۔ ہر ایک کی مقدار کم وبیش ہے۔ کوئی تازہ گوشت کے بغیر کچھ نہیں کھاتا۔ کوئی تازہ خون پیے بغیر کسی شے کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ کسی کی پسند مُردار گوشت ہے۔ کسی کی خوراک نباتاتی ہے تو کسی کی حیوانی ہے۔ غرض مختلف النوع خوراک کھانے والے کروڑوں جانور جنگل میں رہتے ہیں۔ جنگل میں نہ گوشت کے گودام ہیں، نہ ہوٹل ہیں، نہ راشن ڈپو ہیں، نہ خوراک کے ذخیرے ہیں نہ جگہ جگہ مختلف النوع گوشت کا انتظام ہے۔ اور ان میں سے ایک ایک جانور صبح دم اپنے بھٹ سے نکل کر اپنے مالک کے دسترخوانِ نعمت کی طرف جاتا ہے اور رات کو اسی جنگل میں دسترخوانِ ربّانی سے اپنا پیٹ بھر کر واپس اپنے بھٹ کی طرف لوٹتا ہے۔

ہوا میں اُڑنے والے اربوں مختلف النوع پرندے ہیں، چھوٹے چھوٹے کیڑوں اور مکھیوں سے لے کر گدھوں، شاہینوں، شاہبازوں تک لاتعداد مخلوقِ ہوائی موجود ہے جو صبحدم اپنے اپنے گھونسلوں اور ٹھکانوں سے اُڑتی ہے اور نکل کر رب العالمین کے ہوائی دسترخوان پر آتی ہے اور رات کا اندھیرا گہرا نہیں ہوتا کہ اُن میں سے ایک ایک ہوائی مخلوق اپنے اپنے پیٹ بھر کر اطمینان وسکون سے اپنے میزبان مالک کی حمد وثنا کرتی اور اس کی تسبیح اپنی زبانِ بے زبانی سے ادا کرتی ہوئی اپنے اپنے گھونسلوں کو واپس آتی ہے۔ ان کا راشن کہاں رکھا ہے۔ ہوا میں خوراک کے ذخیرے کہاں ہیں اور ان جانوروں کی روزمرہ دعوت کا اہتمام کس نے کر رکھا ہے۔ کون انھیں کھلاتا پلاتا ہے اور ضرورت کا رزق فراہم کرتا ہے۔ اللہ رب العالمین کے سوا آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔

پانی کی مخلوق کی طرف جائیے، جہاں خوردبینی کیڑوں سے لے کر شارک مچھلیوں تک

لاتعداد مخلوقِ خدا موجود ہے۔ اور اُن میں سے بھی ہر ایک کی خوراک، مقدار اور ضرورت مختلف ہے۔ وہ بھی اپنے دن بھر کی جدوجہد کے نتیجے میں سرِشام اپنے پیٹ اپنی مطلوبہ اور پسندیدہ غذا سے بھر کر اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹتی ہیں۔ آخر اس شفاف اور گدلے پانی میں اس میٹھے اور کھاری پانی میں خوراک کے ذخیرے کہاں ہیں جو اُن کے مالک نے اُن کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ لیکن ان کا مالک اور رب ان کو اُن کی ضرورت، ان کی خواہش اور ذوق کے مطابق اُن کی مطلوبہ خوراک، مطلوبہ تعداد کے مطابق روزمرہ فراہم کرتا ہے۔ پتھر کے نیچے دبا ہوا کیڑا بھی اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ پتھروں کے درمیان اور اُن کے نیچے رہنے والے حشرات الارض بھی اپنی خوراک پاتے ہیں۔ لکڑی کے اندر رہنے والا کیڑا، زمین کی گہرائی میں پوشیدہ حشرات سارے ہی اپنی اپنی ضرورت اور حیثیت کے مطابق اپنی اپنی غذا اور پوشش حاصل کرتے ہیں اور ہر ذی روح کا رزق اس کا اس طرح تعاقب کرتا ہے جس طرح موت اس کا تعاقب کرتی ہے۔ یہ دو ہی چیزیں ہیں جو ہر ذی روح کو خود پہنچ کر ملتی ہیں موت اور سامانِ زیست۔ غرض یہ سب جاندار اللہ کے وسیع دسترخوان کے مہمان ہیں۔ اگر دُنیا کا معمولی حیثیت کا ایک انسان بھی اپنے مہمان کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا فراہم کرتا ہے تو وہ رب العالمین جس کے قبضۂ قدرت میں سارے خزانے ہیں وہ اپنے مہمانوں کو اپنے دسترخوان پر اُن کی ضرورت اور حاجت کے مطابق ان کی غذا کیوں فراہم نہ کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دُنیا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عظیم الشان شاہکار ہے جو ہمارے سامنے اپنی واضح نشانیوں کے ساتھ شرقاً غرباً شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اسی عظیم ربوبیت کا تقاضا ہے کہ صرف اسی مالک کی اطاعت کی جائے جو سب کا پالنے والا ہے۔

---

# بلا سود بنکنگ سے متعلق چند مسائل

## قلیل المیعاد سرمایہ کاری ۔ بیمہ کاری ۔ ہاؤسنگ سوسائٹیز

جناب نعیم صدیقی صاحب

ذیل میں بلا سود بنک کاری کی اسکیم کے چند پہلوؤں کے متعلق میں نے ذاتی کاوش سے جو حل سوچے ہیں اور جنہیں بہت ہی اجمال سے قلم برداشتہ لکھ دیا ہے ، میں چاہتا ہوں کہ ان کا کسی سرکاری یا غیر سرکاری آرٹیکل یا رپورٹ یا اسکیم میں تذکرہ یا اقتباس لایا جائے تو اس کے ساتھ مؤلف کا حوالہ ضرور دیا جائے ۔ اپنی انکسار پسندانہ اور شہرت گریز روایت کے خلاف یہ میں اس لیے چاہتا ہوں کہ فنی ماہرین اور عہدوں پر فائز لوگ اپنی سطح سے نیچے کسی کار آمد شے کے وجود کا تصور ہی نہیں کر سکتے ، اور غیر فنی ماہرین کے تفکر کو کوئی وزن نہیں دیتے ۔ کسی طرح انہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ ان کے دائرے کے باہر بھی لوگ سوچتے ہیں اور سوچ کر مفید نتائج تک پہنچتے ہیں ۔ (ن ۔ ص)

مروجہ نظامِ بنک کاری کو اگر سود کی بنیاد سے ہٹا کر نفع کی بنیاد پر استوار کر دیا جائے تو بیشتر معاملات نئی شکل میں بھی بخوبی چل سکتے ہیں ۔ مثلاً بلا سود بنک کاری میں رقوم کے انتقال ( بذریعہ چیک یا ڈرافٹ ) کی خدمت کا معاوضہ بنک اسی طرح لے سکتا ہے جیسے ڈاک خانہ منی آرڈر فیس لیتا ہے ۔ بنک لاکر بھی بالمعاوضہ فراہم کر سکتا ہے ۔ حکومت کے جاری کردہ قرضوں کی رقوم جمع کرنے یا بعض محکموں کی امانات رکھنے اور بلوں کی وصولیاں کرنے اور اُن کا حساب کتاب رکھنے پر بھی

وہ معاوضہ لے سکتا ہے۔ افراد یا اداروں کے آمد و خرچ کے انضباط کی ذمہ داری لے کر بھی آمدنی حاصل کر سکتا ہے۔ چلنت حسابات کے کھاتے کھول کر اُن سے بھی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ کامرس اور فنانس کے متعلق افراد یا اداروں کو اپنے ماہرین کے ذریعے اسکیمیں یا مشورے دے کر مناسب اُجرت لے سکتا ہے۔ بنک کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اپنے مستقل مصارف کو چلانے کے لیے کھاتہ داروں سے ہر لین دین (TRANSACTION) پر معمولی سی فیس وصول کرے، جیسے کہ اب بھی ۲۵ پیسے فی چیک لیے جاتے ہیں۔

اصل مسئلہ سرمایہ کاری کا ہے۔

طویل المیعاد سرمایہ کاری نسبتاً سہل ہے۔ بنک حکومت کی نفع آور اسکیموں میں اپنا روپیہ لگا سکتا ہے۔ وہ کارخانوں کے لیے مشینری یا خام مال کی خریداری میں کسی خاص مدت کے لیے رقوم لگا کر اس مدت کے نفع و نقصان میں حصہ داری کر سکتا ہے۔ جائدادوں کی خرید و فروخت یا ٹرانسپورٹ یا ایسے ہی دوسرے بڑے کاموں میں سرمایہ کاری کی راہیں نکال سکتا ہے۔ کسی تاجر یا کارخانہ دار کے درآمد کردہ مال کی قیمت کی فوری ادائیگی کر کے مقررہ دنوں میں اس مال کے اُٹھائے جانے پر اُس کی موجودہ قیمتِ فروخت کا حساب لگا کر اپنا حصۂ منافع حاصل کر سکتا ہے یا اپنی رقم کو متعلقہ فرم کے پورے کاروبار میں چند یوم (مثلاً ۱۵ دن تا ۹۰ دن یا کم و بیش) کے لیے شامل کرنے کا معاہدہ کر کے پورے کاروباری منافع کا حصہ مدت معینہ کے لیے لے سکتا ہے۔ کارخانوں کے اجراء کے لیے سودی قرض دینے کے بجائے حصہ داری کے اصول پر کسی خاص مدت (مثلاً ۱ سال، ۵ سال، ۱۰ سال) کے لیے اس شرط پر سرمایہ لگا سکتا ہے کہ یہ سرمایہ اتنی مدت کی اندر اتنی مقدار کی اقساط میں مقررہ عرصے کے اندر واپس لے لیا جائے گا۔ وہ مختلف بڑی بڑی مضبوط کاروباری فرموں کے حصص کی خریداری کر سکتا ہے۔ سرمایہ کاری کے سرکاری یا نیم سرکاری اداروں (جیسے کہ موجود ہیں) کے ذریعے بھی سرمایہ کاری ہو سکتی ہے۔

بہ آمد کے مقصد سے خام مال کو جمع کرنے کے لیے کپاس کے کاروبار کی مثال دی جا سکتی ہے۔ مثلاً کپاس کا اسٹاک کسی علاقے سے خریدنے کے لیے کوئی فرم بنک کا ایک لاکھ روپیہ ادائیگیوں یا پیشگی ادائیگیوں میں لگاتی ہے۔ اس رقم سے خرید کردہ اسٹاک جب مارکیٹ میں فروخت کیا جائے گا تو بنک

اپنا سرمایہ واپس لیتے ہوئے منافع میں سے بھی ایک حصہ لے گا۔ اسی طرح چینی کے کارخانے گنے کا، اور چمڑے کے کارخانے یا برآمدی تاجر چمڑے کا اسٹاک مناسب وقت پہ خرید کر اس سے جو نفع کماتے ہیں، بنک اس میں حصہ دار ہوگا۔ ان موٹی موٹی اجناس کی قیمت خرید و فروخت کوئی راز نہیں ہوتی۔ بلکہ پچھلے سالوں کی شرحیں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور تازہ حالات پہ بھی نظر رکھی جا سکتی ہے۔

جتنے کام اب ہوتے ہیں، وہ آئندہ بھی ہوں گے۔ مگر تبدیلی صرف یہ ہوگی کہ سودی قرض کے طور پہ سرمایہ لگانے کے بجائے حصہ داری نفع و نقصان کے اصول پر لگایا جائے گا۔ یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ بنک نہ صرف کسی فرم کے قابل اعتماد اور کسی کاروبار کے وجہ منفعت اور کسی سیزن کے سازگار ہونے کو دیکھے گا بلکہ بعض صورتوں میں وہ اپنے ڈائرکٹروں کو بھی بورڈ آف ڈائرکٹرز میں جگہ دلوائے گا اور تنخواہوں اور دیگر مصارف کے متعلق فیصلے کرنے اور حسابات مرتب کرنے میں شریک ہوگا۔ اتنا ہی نہیں، جہاں کہیں وہ بڑا سرمایہ دے گا، وہاں اپنی شرائط بھی تسلیم کرائے گا۔

یہاں تک تو سرمایہ کاری زیادہ پیچیدگیاں نہیں رکھتی۔ البتہ قلیل المیعاد سرمایہ کاری کے کچھ پرابلم ایسے ہیں جن کو حل نہ کیا جائے تو ایک بڑا دائرہ کار بند ہو جاتا ہے۔ عملاً ہوتا یہ ہے کہ فکسڈ ڈیپازٹس میں بنک کے پاس جو سرمائے رکھوائے جاتے ہیں، ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ رقوم محدود وقت کے لیے آتی ہیں۔ محدود وقت کے لیے آنے والی رقوم اگر منفعت بخش بنیں تو بنک کا نفع بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً کسی بنک کے چلنت حسابات (CURRENT ACCOUNTS) میں اگر اوسطاً پانچ لاکھ روپیہ کی رقوم داخل ہوتی ہوں تو ان میں سے مثلاً تین لاکھ کی رقوم رکی رہتی ہیں۔ کچھ نکلتی ہیں تو کچھ نئی اُن کی جگہ لے لیتی ہیں۔ اب اگر تین لاکھ روپے کو چھوٹے بڑے پچاس حصوں میں بانٹ کر دیکھا جائے کہ کچھ رقوم دس دن، کچھ ایک مہینہ، اور کچھ زائد مدت کے لیے شریک کاروبار رہ سکتی ہیں، اور ہر واپس آنے والی رقم کسی دوسرے کام میں لگ جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ تین لاکھ روپے سے خاصا کاروباری عمل انجام پا جاتا ہے۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ لاکھوں چھوٹی چھوٹی فرموں اور عام دکانداروں میں سے ہر ایک پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے، ہر ایک کے حالات کو بنک کیسے جان سکتا ہے اور ہر ایک کے حسابات کی وہ کیسے نگرانی کر سکتا ہے کہ کس نے جائز طور پر نفع یا نقصان دکھایا ہے اور کس نے ہیر پھیر کر کے اپنے کاروبار میں نقصان ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بنک آنکھیں بند کر کے تو اپنے حصہ داروں کے سرمائے یا کھاتے داروں کی امانات کو ہر کسی کی جھولی میں نہیں ڈال سکتا۔

جب شروع شروع میں نظامِ بنک کاری کو غیر سودی بنیادوں پر چلانے کے لیے میں نے تحریر و تقریر میں کچھ کام شروع کیا تو کسی مرحلے پر میرے سامنے یہ سوال رکھا گیا۔ میری عادت ہے کہ کسی بھی معاملے میں جب میرے سامنے کوئی سوال رکھا گیا ہو تو میں اس پر مسلسل سوچتا ہوں اور اس کا حل تلاش کرتا ہوں۔ اس کا حل میرے سامنے جلد ہی نمایاں ہو گیا۔ اجمالاً میں نے اسے کہیں کہیں لکھا ہے۔ مگر تفصیلاً ایک خاکہ پیش کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اب جب کہ غیر سودی بنک کاری کو عملاً شروع کر دینے کی گفتگو ہو رہی ہے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اب تک کسی ایکسپرٹ نے اس الجھن کا حل نہیں نکالا۔ جہاں تک محققین کی کتابوں کا تعلق ہے، غالباً ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی (بھارت) کا کام آخری ہے۔ اس میں اس قضیے کو باقاعدہ طور پر چھیڑ کر کوئی مفصل بحث نہیں کی گئی ہے۔ میں ہر چند کہ محقق یا ایکسپرٹ نہیں ہوں، مگر میں نے جو حل سوچا ہے وہ قابلِ عمل ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُسے غور و فکر کر کے زیادہ بہتر بنا لیا جائے۔

میں نے کواپریٹو بنک کے تجربے کو سامنے رکھا ہے۔ اس بنک کی شاخ جس گاؤں میں قائم ہوتی ہے، وہاں جو بھی لوگ اس کے حصہ دار بنتے ہیں، وہ سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ کسے کتنا قرضہ دیا جائے نہ صرف اس کی جائیداد وغیرہ کو دیکھا جاتا ہے، بلکہ لین دین میں اس کے رویے کو بھی۔ پھر کسی بھی شخص کی درخواستِ قرض پر دو آدمی اس کے بارے میں یہ تصدیق کرتے ہیں کہ اُسے قرض دینے میں کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ نیز اگر کسی وجہ سے کوئی رقم ڈوب جائے تو اُس کا بار سارے حصہ داروں کو اُٹھانا پڑتا ہے۔

اسی اصول پر اگر ایک قانون کے ذریعے ہر بازار کے دکانداروں اور چھوٹے چھوٹے صنعت کاروں یا کہیں مناسب ہو تو ایک ٹریڈ کے کاروباریوں —— مثلاً پریس والوں، کاغذ والوں، یا

چمڑے والوں اور ٹمبر مارکیٹ اور سبزی اور فروٹ مارکیٹ میں کام کرنے والوں کو ایک جگہ منظم کر دیا جائے اور ان سب کے اشتراک سے جا بجا کوآپریٹو کمرشل اینڈ ٹریڈنگ برانچز (متعلق بہ فلاں بنک) قائم کر دی جائیں تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔

ایسی کسی شاخ کے حصہ دار ممبران صرف ایسے کاروباری افراد یا پرائیویٹ فرمز کے چیف ڈائرکٹر ہوں جن کے بارے میں اس خاص دائرے کی کم سے کم پانچ پارٹیاں بہ تصدیق کریں کہ یہ دیانتدار کاروباری ہیں اور آڈٹ کرائے ہوئے حسابات رکھتے ہیں۔ یہ حصہ دار اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ۱۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ روپے تک کی رقم بنک کے حصص کی خریداری میں لگائیں۔ اور پھر منافع کا دو فیصد ہر سال باقاعدگی سے جمع کراتے رہیں۔ بلوں کی پیشگی ادائیگی یا کسی اسٹاک کی خریداری یا کسی دوسری کاروباری ضرورت کے لیے بنک کی شاخ برائے محدود مدت (۱۰ دن تا ایک ماہ) صرف ایسے فریقوں کو رقوم مستعار دے جن کے آڈٹ کیے ہوئے حسابات کی رُو سے کم سے کم تین سال سے مسلسل منافع آرہا ہو، نیز جن کے لیے کم سے کم دو حصہ دارانِ بنک بطور ضامن سفارش کریں کہ ان کو رقم دی جا سکتی ہے۔ اس طرح مستعار دی گئی رقوم محدود مدت کی سرمایہ کاری یا بہ الفاظِ دیگر عارضی حصہ داری کے لیے دی جائیں گی۔ اگلا مسئلہ یہ ہے کہ ایسی رقوم کے نفع و نقصان کو کیسے معلوم کیا جائے گا۔ ایسی رقوم خواہ ایک بار دی گئی ہوں یا دس بار ــــــ سب پر نفع و نقصان کا حساب، سالانہ حسابات تیار ہونے پر لگایا جائے گا۔ مثلاً پچاس ہزار روپے کے کاروبار پر سالانہ منافع اگر ۱۸ ہزار ہوا تو بنک کے متفرق اوقات میں لگائی ہوئی اوسطاً تین ہزار روپے کی رقم پر دو ماہ کے لیے کتنا منافع ہوگا مجموعی طور پر یہ ۱۸۰ روپے بنتا ہے لیکن فرض کیجیے کہ بنک نصف سے کم منافع لیتا ہے ــ ۸۰ روپے اس کے حصے میں آتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر اپنی ۳ ہزار کی رقم کو بنک ادل بدل کر مختلف ہاتھوں میں دیتا رہے تو اسے متذکرہ حساب سے سالانہ ۱۶ فیصد نفع ہوگا۔ اس میں سے وہ ایک حصہ کھاتہ دار کو ادا کرے گا اور ایک خود رکھے گا، یعنی اپنے حصہ داروں کے لیے۔ عملاً منافع اس مفروضہ صورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ۵۰ ہزار کے سرمایہ کی سال میں کئی گردشیں ہو جاتی ہیں۔ اگر ایسی تین گردشیں بھی شمار کی جائیں تو بنک کو متذکرہ عارضی حصہ داری پر ۴۸ فیصد منافع ملنا چاہیے۔ احتیاطاً اس میں کمی کی جائے۔

تو کم سے کم ۳۳ فیصد منافع کی صورت معتدل ہوگی۔ یعنی جملہ تین لاکھ کی رقم پر ۹۹ ہزار یا تقریباً ایک لاکھ روپیہ۔ اوپر ہم نے مثال دیتے ہوئے منافع کے ۱۸۰ روپے میں سے بنک کو صرف ۸۰ روپے دلوائے ہیں۔ بقیہ رقم میں سے دس، پندرہ یا بیس روپے اگر بنک کی شاخ امداد باہمی کو ملیں تو کاروباری لحاظ سے یہی صورت بہتر ہوگی۔ اس طریقے سے مستعار سرمائے کا فنڈ بڑھ سکتا ہے، بصورتِ دیگر کم سے کم شاخ کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔

شاخ کے لیے فنڈز کا انتظام بنیادی طور پر یہ ہوگا کہ اس کے حصہ داروں کی کل رقم کا تین گنا تک مرکزی بنک سرمایہ کاری کے طور پر حسبِ ضرورت دے گا۔ اور اس پر شاخ کے حاصل کردہ منافع کا ۱/۳ وصول کرے گا۔ ہاں شاخ کی سفارش پر اس کے علاوہ جو سرمایہ وہ براہ راست کسی فرم یا کاروبار کے وقتی استعمال کے لیے دیگا، اس پر وہ اپنی شرائط کے تحت فرم کے منافع میں (مقررہ مدت کے مطابق) حصہ دار ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے ان چھوٹے کاروباریوں کا جن کے نہ تو حسابات باقاعدہ اور قابلِ اعتماد ہوتے ہیں، اور نہ جن کے کاروبار کے متعلق یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس نتیجے کی طرف جائیں گے۔ ایسے لوگ بنک سے دس دن تا ایک ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے لیے مناسب حد تک کا قرض صرف کفالت یا رہن پر حاصل کرسکیں گے۔ اور ایسے قرضوں پر سود نہیں لیا جائے گا۔ اس خاص شعبے کے لیے بنک قلیل المیعاد سرمایہ کاری کے کل فنڈ کا مثلاً ۱/۱۰ حصہ مختص کرسکتا ہے۔ مزید یہ کہ خود کسی بازار یا مارکیٹ یا ٹریڈ کی شاخ امداد باہمی بھی پانسو، ہزار، دو ہزار کی رقوم اپنے اعتماد اور تعلقات کے دائرے میں کفالت یا اپنے دو ممبران کی شخصی ضمانت پر قرضہ حسنہ کے طور پر جاری کرسکتی ہے۔ اسی طرح خسارے یا کسی حادثے کا شکار ہونے والے کاروباریوں کو وقتی قرض بلا سود دیا جاسکتا ہے لیکن قرض دینے کا فنڈ بہر حال محدود ہوگا، اور قرض لی جانے والی رقوم کا عرصہ استعمال کم ہوگا۔

مزید تفصیلات غور و فکر سے طے کی جاسکتی ہیں۔

(۲)

ایک متعلقہ مسئلہ بیمہ کا ہے جس کی ضرورت کاروباری نقصان کی صورت میں بھی پیش آتی ہے۔ اور اسی کے لیے مسلمان جہاز رانوں نے قرونِ اولیٰ میں ایک نظام قائم کیا تھا۔

اس کی سیدھی سادی شکل ایک ایسے میوچل سسٹم کی ہے جو سود کے بغیر کام کرے۔ ہر مارکیٹ یا دیہی علاقے کے کاروباریوں کی ایک سوسائٹی بنا دی جائے۔ اور بنک ان کو سرمایہ یا آمدنی کے لحاظ سے ---------- مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے ہر گروپ پہ ایک مقررہ رقم (مثلاً ۵، ۱۰ یا ۲۵ روپے ماہانہ یا اسی حساب سے سالانہ) بطور چندہ بیمہ داری کے عاید کر دے۔ اس رقم کا ایک بڑا حصہ بنک کے نظام کار کے تحت سرمایہ کے طور پر مختلف راستوں پر استعمال ہوتا رہے گا۔ اور پورے فنڈ پر منافع لگتا رہے گا۔ جب کبھی کسی بیمہ دار رکن کو کوئی بڑا خسارہ پہنچے یا کاروبار میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو ممبران کا اجلاس نقصان کا جو اندازہ یا مدد کی جو مقدار بلحاظ اس کی کیٹیگری کے تجویز کرے، وہ اُسے مجموعی بیمہ فنڈ میں سے ادا کر دی جائے۔ یہ رقم قرض نہیں ہوگی بلکہ امداد ہوگی اور امداد کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔

بیمۂ زندگی کے بجائے ایسے ہی بیمہ فنڈز کفالتِ پس ماندگان کے لیے قائم ہو سکتے ہیں، یہی انتظام مکان یا کار یا دیگر جائیداد کی تباہی کی صورت میں کام دے سکتا ہے، اسی سے بڑھاپے یا معذوری کے دور میں امدادی وظائف جاری ہو سکتے ہیں، اسی سے کسی بڑی بیماری کے خرچ یا کسی تاوان یا جرمانے کی ادائیگی کا انتظام ہو سکتا ہے۔

ایسے فنڈز مختلف مقاصد کے لیے الگ الگ بھی قائم کیے جا سکتے ہیں، اور ایک ہی فنڈ سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً دیہاتیوں کے لیے ایسے فنڈ سے جانوروں کے مرجانے کی صورت میں، فصل تباہ ہو جانے کی صورت میں (جب کہ تباہی عام اور وسیع نہ ہو) اور ایسے ہی دوسرے حادثات کی صورت میں امداد بہم پہنچائی جا سکتی ہے۔

ایسے میوچل بیمہ فنڈ کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر آدمی کی رقم اس کے نام پر جمع رہے اور جس کسی کو امداد ملے وہ قرض کے طور پہ ہو۔ دوسری جسے میں ترجیح دیتا ہوں، یہ ہے کہ

ادا کردہ رقوم مستقل امدادی فنڈز میں جمع رہیں ۔ اور ممبران میں سے ہر مصیبت زدہ یا حقدار کو اس میں سے مدد ملتی رہے ۔ کسی کو دو دفعہ ضرورت پڑے تو دو دفعہ اور زیادہ مرتبہ استحقاق ہو تو زیادہ مرتبہ امداد دی جائے ۔ یہ گویا آئندہ نسلوں تک کے لیے ایک مستقل انتظام ہوگا ۔

## (۳)

ہاؤسنگ سوسائٹیوں کے سلسلے میں سودی نظام سے نجات پانے کی ایک شکل میرے سامنے ہے ۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی سوسائٹی یا خود بنک آپ کے ملکیتی پلاٹ پر ۴۲ ہزار روپے کی لاگت سے مکان تعمیر کرا دیتا ہے ۔ اس سرمایہ کاری میں وہ منافع کے ۸ ہزار روپے شامل کر کے مکان کی قیمت (پلاٹ کو الگ رکھ کر) ۵۰ ہزار روپے مقرر کر دیتا ہے ۔ وہ آپ کو دس سال کی مدت دیتا ہے کہ اس میں آپ یہ رقم بالاقساط ادا کر دیں، عمارت کی ملکیت آپ کو منتقل ہو جائے گی، خواہ پہلے دن آپ ساری رقم دے دیں، خواہ ۴ سال کی مدت میں، خواہ دس سال میں ۔ اس دوران میں عمارت بنک یا سوسائٹی کی ملکیت میں رہے گی ۔ اس کا کرایہ لگے گا ۔ مگر مارکیٹ ریٹ سے کم شرح سے ۔ (کیونکہ جس پلاٹ پر مکان بنا ہے وہ بنک یا سوسائٹی کی ملکیت نہیں ہے) ۔ مثلاً دو صد روپیہ ماہوار ۔ مکان کی قیمت اگر فوراً ادا کر دی جاتی ہے تو مکان بنا کے دینے والے ادارے کا منافع صرف ۸ ہزار روپیہ ہوگا ۔ اگر قیمت ایک سال میں ادا ہوتی ہے تو ۸ ہزار منافع کے علاوہ ۲۴ سو روپیہ کرایہ میں وصول ہوگا ۔ اگر دس سال میں ادائیگی مکمل ہوتی ہے تو ۸ ہزار منافع کے ساتھ ۲۴ ہزار روپیہ کرایے کا آئے گا ۔ یہ جملہ ۳۲ ہزار روپے ہوتے ہیں ۔ یعنی خرید مکان کے لیے جملہ ۷۴ ہزار روپیہ کی ادائیگی ہو جائے گی ۔

یا بصورت دیگر قطعۂ زمین اور اس پر مکان تعمیر کر کے کوئی سوسائٹی مہیا کرتی ہے ۔ فرض کیجیے کہ ایک چھوٹا سا مکان ۳ یا ۴ مرلہ زمین پر تیار کیا گیا ہے ۔ اس کی مجموعی قیمت ۵۰ ہزار ہے (جس میں منافع شامل ہے) سوسائٹی پہلی قسط دس ہزار روپے لے کر آپ کو مکان کا قبضہ دیتی ہے مگر شرط یہی ہے کہ پوری قیمت ادا کر دینے پر آپ کو ملکیت منتقل ہوگی ۔ اس دوران میں آپ کرایہ دار کی حیثیت سے

رہیں گے۔ اور اگر آپ اقساط ادا کرتے رہیں تو آپ کو قیمت پوری ہونے تک نکالا نہیں جائے گا۔
دس ہزار روپیہ پیشگی دینے کے بعد ۴ ہزار روپے سالانہ ادا کرنے کے لیے ماہانہ قسط تقریباً ۳۳۳ روپے ہوگی۔ اور کرایہ مکان اگر ۱۶۷ روپے ماہانہ رکھا جائے تو ہر مہینے کل ۵۰۰ روپے واجب الادا ہوں گے۔

مکان کی مرمت، سفیدی اور حادثاتی شکست وریخت کے تفصیلی مسائل کے حل تجویز کیے جا سکتے ہیں۔ نیز اگر سلسلہ ادائیگی اقساط تعطل میں پڑ جائے تو اس صورت میں بھی راستہ نکالا جا سکتا ہے۔

مسئلہ صرف ایک فقہی طور پر قابل بحث ہے۔ وہ یہ کہ بنک یا سوسائٹی کو مکان کی جو جزوی قیمت بصورت اقساط وصول ہوگی وہ چونکہ بمد امانت ہوگی اس وجہ سے بنک یا سوسائٹی آگے کسی کاروبار میں حصہ داری نفع ونقصان پر لگائے تو اس کا حصہ اقساط ادا کرنے والی پارٹی کو بھی ملنا چاہیے۔ لیکن وہ پارٹی اگر امکانی طور پر نقصان ہونے کی صورت میں بوجھ اٹھانے پر تیار نہ ہو تو اسے تحریری طور پر اداکردہ اقساط کی سرمایہ کاری کے نتائج کو بنک یا سوسائٹی کو تفویض کر دینا چاہیے۔

کوئی بھی ہاؤسنگ سوسائٹی ڈائرکٹرز، پروپرائٹرز یا بڑے حصہ داروں کے علاوہ عام ارکان پر مشتمل ہوگی، اور وہ صرف رکنیت قبول کرنے والوں ہی کے لیے تعمیر مکانات کی ذمہ داری لے گی۔ رکنیت کی یکمشت فیس یک صد روپیہ اور سالانہ چندہ پانچ روپے ہوگا تاکہ سوسائٹی کے عام مصارف کی کفالت ہو سکے۔ ہر ہاؤسنگ سوسائٹی کسی نہ کسی بنک سے بذریعہ معاہدہ وابستہ ہوگی۔ اور اپنے سرمایے کی مقدار اور ڈائرکٹرز، پروپرائٹرز اور بڑے حصہ داروں کی ساکھ کے مطابق بنک سے سرمایہ حاصل کر سکے گی۔ نیز جوں جوں اس کی کارکردگی کا اچھا معیار سامنے آئے گا، اسے زیادہ سرمایہ حاصل کرنے میں آسانی ہوگی۔

---

# مطبوعات

ماہنامہ بیّنات - اشاعت خاص
بیاد علامہ سیّد محمد یوسف بنوّری

ضخامت : آٹھ سو سے زائد صفحات
قیمت : نامعلوم
سرورق، کتابت، طباعت اعلیٰ۔ متعدد صفحات مصور
پتہ: جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ نیو ماڈل ٹاؤن۔ کراچی ۵

یہ اشاعتِ خاص کتاب کی کتاب ہے جسے بہت محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کی شخصیت بڑی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ اسلامی نظامِ حیات کے قیام کے لیے فکری رہنمائی کی غرض سے جو اسلامی کونسل چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے قائم کی تھی، مرحوم اس کے رکن تھے، اور پیشِ نظر کام کے لیے اپنے علم و مطالعہ اور صلاحیت و قابلیت کے لحاظ سے بے حد موزوں تھے، مگر قبل اس کے کہ کونسل میں آپ کی خدمات اور کارنامے نمایاں ہو کے سامنے آتے، آپ کو بزم آخرت میں شرکت کے لیے طلب کر لیا گیا۔ برحق، کہ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔

ادارۂ بینات نے مولانا بنوری کی یاد میں جو اشاعتِ خاص پیش کی ہے۔ اس میں زیادہ تر سوانحی اور تاثراتی مواد شامل ہے، جسے ۵۰، ۶۰ اصحابِ علم و نظر اور اربابِ قلم و قرطاس کے تعاون سے جمع کیا گیا ہے۔ قدرتی طور پر خاصا متنوع نگارشات ہیں ہے۔ مرحوم کی ذہنی دُنیا، اُن کے مشاغل، اُن کی شخصیت اور اُن کے کردار کی بہت سی جھلکیاں سامنے آتی ہیں۔ مرحوم کے اساتذہ، معاصرین، تلامذہ، اعزہ و احباب کی شخصیتوں کے عکس بھی دکھائی دیتے ہیں۔

دوسرا رُخ!

علماء کی بزرگی تسلیم، احترام واجب، آداب و القاب برحق! مگر یہ عجیب بیماری ہے کہ علماء اپنے دائرے کے علماء کے لیے بہت ہی غیر معمولی تعظیمی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ تاثر یہ ہوتا ہے کہ پوری

محفل میں گویا ایک ہی شخص تھا۔ مرحوم مولانا یوسف بنوری کے لیے پُر زور حمدیہ کلمات کی بہت کثرت ہے مثلاً "محدث العصر"، "نابغۃ العصر" "الامام المجاہد فی سبیل اللہ"۔ پھر آپ کی شان میں "جمالِ یوسفی" اور "سیرۃ یوسفی" کی تلمیحی تراکیب۔ اتنے تک بھی خیر، حد یہ ہے کہ ایک مضمون کا عنوان ہے "سیدی انت حبیبی" (مشہور نعت کے مصرعِ مشہور کا حصہ) حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے متعلق بعض آیات کو بھی اِدھر چسپاں کیا گیا ہے۔ وکذٰلک مکّنّا لیوسف فی الارض، ولنعلّمہ تاویل الاحادیث..... الخ۔ (رمز یہ ہے کہ بنوری صاحب عالمِ حدیث تھے)۔ ایک صاحب نے تو اپنے مضمون میں بنوری صاحب کے کراچی آجانے پر "مکّنّا لیوسف" کا اطلاق فرمایا ہے۔ یہی آیت شروع کے رنگین اوراق میں بھی ڈیزائن کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور "ولقد جاءکم یوسف..... بالبیّنٰت" (مولانا یوسف کے ساتھ رسالہ بینات کے لیے اشارہ ہے) اور "یا اسفٰی علیٰ یوسف..... من الحزن" سے وفات کی تاریخ (یعنی ہجری و عیسوی سال کے اعداد) برآمد کیے گئے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ "ورفعنا لک ذکرک" کو بھی چسپاں کر دیا گیا ہے اور اس سے بھی ہجری تاریخ نکالی گئی ہے۔ اس کے لیے بھی رنگین صفحہ ڈیزائن کیا گیا ہے۔ قرآن حضرات علماء کا اپنا ہے، احادیث اپنی، جس کو جہاں چاہیں برتیں۔ پوچھے کون — یاد آیا کہ ایک مرتبہ راقم نے اپنے قائد، استاد اور مربی کی رہائی پر ایک نوٹ کو عنوان دیا: "طلع البدر علینا"۔ اس پر گرفت ہوئی۔ حالانکہ بچوں کا گیت تھا، قرآنی آیت نہ تھی۔ تاہم میں نے فیصلہ کر لیا کہ انبیاء سے مخصوص الفاظ و عبارات کو دوسروں کے لیے استعمال نہیں کروں گا۔ کیونکہ بے احتیاطی زیادہ بڑی خرابیوں تک لے جاتی ہے۔

محمد یوسف لدھیانوی صاحب کا مضمون "المجاہد فی سبیل اللہ" پڑھ کر افسوس ہوا کہ بنوری صاحب کے کارناموں کو جمع کرنے والوں نے اُن کے عنادِ مودودی کا باب اس مجموعے میں شامل کر کے اسے داغدار کر دیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے آخری عمر میں مودودی صاحب کے خلاف عربی کے ایک رسالہ (بہ عنوان "الاستاذ المودودی وشیٔ من حیاتہ وافکارہ") لکھ کر موسمِ حج میں تقسیم کرا کے بڑی خدمتِ دین انجام دی ہے، مگر دنیا بھر کے حجاج کے اس اجتماع نے اس رسالے کو بلحاظ اثر پذیری کے مسترد کر دیا۔ محمد یوسف لدھیانوی نے فتنۂ قادیانیت، فتنۂ مشرقی، فتنۂ پرویزی، فتنۂ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے سلسلے میں بنوری صاحب کی غیرت دینی کا جلوہ دکھاتے

دکھاتے " فتنۂ مودودیت " کے خلاف بھی ان کی خدماتِ جلیلہ کا ذکر کیا ہے۔ مرحوم کی نگاہ میں مودودی تحریک ایک عظیم فتنہ تھی وہ اس پر " فیصلہ کن ضرب لگانا چاہتے تھے "۔ مولانا مودودی کے " زیغ و ضلال کا منبع " مرحوم کی نگاہ میں یہ تھا کہ " کسی باخدا عالم کے جوتے سیدھے کرنے کی سعادت میسر نہیں آئی "۔ اور " ان کا علم قلب کا نہیں بلکہ قلم کا ہے "۔ اس لیے " ان کا علم علمائے امینین کا نہیں زائغین کا ہے "۔ (وہ) " بمشکل عربی سمجھ سکتا ہے اور وہ بھی اردو ترجموں کی مدد سے" لہٰذا یہ شخص کجرو، گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے "۔ مزید الفاظ " طامات " " فسق " " ابتداع فی الدین " ، " الحاد " " جہل بالدین " " غباوت علی الیقین " کے استعمال کیے ہیں۔ بنوری مرحوم مولانا مودودی کے " بیانات اور تحریروں میں تضارب اور تہافت " اور " سلف صالحین کی تحقیق و تجہیل " دیکھتے ہیں۔ آخری نتیجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں "۔ بنوری صاحب مولانا مودودی کے لیے " طویل حیات اور رجوع الی الحق کی دعائیں بھی فرماتے رہے۔ (اندازِ تقشف وللّٰہیت) مسئلے کا حل یہ بتایا گیا کہ " وہ اپنی غلطیوں سے رجوع کرلیں "۔ یعنی مذہبی عدالت لگے، وہ فرد جرم لگائے اور مولانا مودودی علمائے کرام کے سامنے تمام الزامات کا اقرار کرکے پھر ان سے معافی مانگ لیں۔ مسئلہ علماء کی تسکین انا کا کچھ زیادہ ہی ہے۔

خیر ان تمام باتوں کا جواب دینے کا یہ مقام نہیں، اور بھرپور جواب ملک غلام علی صاحب اور دیگر علماء دے چکے ہیں۔ ہم تو معتقدین بنوری سے پوچھتے ہیں کہ مرحوم نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے جس اسلامی کونسل کے عضو بنے تھے کچھ ان کو پتہ ہے کہ اس میں کتنے مریضانِ مودودیت یا فتنہ زدگان تھے، جن سے تعاون کے لیے وہ تیار ہو گئے۔ پنجابی کہاوت ہے " ماں دی سوکن، دھی دی سہیلی " یعنی ایک طرف ماں سے سوکنا پا، دوسری طرف اس کی بیٹی سے دوستی۔ گرامی قدر علماء بھی کیسے تضاد رکھتے ہیں۔

مرتبین بینات نے مولانا مودودی کے خلاف پیغمبروں اور صحابہ اور بزرگوں کی توہین کے من گھڑت مقدمے کو تازہ کرکے دین و ملت کے حق میں اچھا نہیں کیا۔ اس وقت جو عظیم نصب العین قوم کے بچے بچے کو بلا رہا ہے۔ اس کے لیے " یہ فتنہ " اور " وہ فتنہ " کی بحثیں چھیڑنے اور فرقہ وارانہ اور

گروہی عصبیتوں کو اچھالنے کا موقع نہیں ہے۔ یہ تو فرصت کے مشغلے ہیں، پہلے بھی ہوتے رہے، آئندہ بھی آپ کی صلاحیتوں کو زنگ نہیں لگ جائے گا۔ اس وقت ساری قوم اتحاد کی راہ پر بڑھنے کی خواہشمند ہے۔ خدارا سیاسی لیڈروں کی طرح علماء اس قوم کو اس لمحے پراگندہ نہ کریں۔ بالخصوص کتاب وسنت سے اصولاً تمسک کرنے والوں کو اچھا ہے بعض امور ومسائل میں ان کے متعلق آپ کو مغالطہ رہے یا جائز اختلاف) بکھیرنے کا جُرم اتحادِ ملی کی اُس امانت میں دخل اندازی ہے جو حضورؐ کی طرف سے بطور میراث ودیعت ہوئی تھی۔ اُسے تباہ کرنے میں علما کا جتنا حصّہ ہے۔ اتنا شاید عوام کا نہیں۔ ہر عالم نے اپنا مدرسہ، اپنی مسجد اور اپنا ایک ٹولہ الگ بنا رکھا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں ایسے عالم بھی ہیں جو دیوبندیت کو فتنہ سمجھتے ہیں، اور وہ بھی ہیں جو بریلویت کو، وہ بھی جو وہابیت کو، وہ بھی جو تصوف کو ـــ آخر ان ناوک اندازیوں سے بچے گا کون؟ کون اسلام کا متفق علیہ نمائندہ ہوگا؟ جب بھی آپ کو ملحدانہ مادیت کے عالمگیر سیلاب کی چڑھتی موجوں سے نبرد آزمائی کا خیال آئے گا تو آپ ایسے ایک ایک شخص کو سر آنکھوں پر بٹھا کر اس کا تعاون حاصل کریں گے جو خدائے واحد کی عبادت کے ساتھ سنت رسول کی اطاعت کو زندگی کا اصولِ اساسی مانتا ہو۔ موجودہ مذہبی طوائف الملوکی تو یہ بتاتی ہے کہ آپ کو ابھی تک حقیقی اور خوفناک دشمن قوت کا پورا شعور ہی نہیں۔

اظہار اختلاف کا حق استعمال کرنے کے باوجود، میں مولانا مودودی کے سکھائے ہوئے مسلکِ حق کے مطابق، اقامتِ دین کے مقصد کے تحت اہل سنت والجماعت کے تمام گروہوں کے لیے اپنے دل کے دروازے کھلے رکھتا ہوں اور وقتاً فوقتاً مختلف اطراف سے ساری شرعی گلوخ اندازیوں سے صرف نظر کر کے میں چاہتا ہوں کہ مولانا یوسف بنوری کے متعلق بینات کے اس خاص نمبر سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کریں، اور اُن کے لیے مغفرت کی دعا کریں خصوصاً یہ دُعا کہ مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کے خلاف اُن کی طرف سے بعض مغالطوں کے تحت جو کچھ زیادتیاں ہوئی ہیں (اور ان کا جواب نقطہ بہ نقطہ دیا جا چکا ہے) خداوند قدوس اُن سے درگذر فرمائے۔ نیز جو بُعد اُن کی تحریر وتقریر سے جماعت اسلامی اور اہل توحید وسنت کے دوسرے گروہوں کے درمیان واقع ہوا ہے، وہ یکسر ختم ہو جائے اور ساری ملت متحد ہو کر نظام مصطفیٰ کی اقامت کے لیے کام کرے۔

**ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء**

مؤلف: حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی

سائز: ۲۳×۳۶/۸ صفحات ۶۲۴

کاغذ: جرمنی آفسٹ پیپر

جلد نہایت درجہ اعلیٰ و مزین

قیمت: یک صد روپیہ

ناشر: سہیل اکیڈمی - لاہور

اشاعت میں آنے والی کتابوں کی نوعیت اور مقبولیت کسی معاشرے کے رجحانات کا ایک حد تک پیمانہ ہو سکتی ہے۔ گذشتہ دس پندرہ برس میں تفاسیر اور مجموعہ ہائے احادیث کے علاوہ علمائے سلف کی مشہور و متداول دینی کتب اور ان کے تراجم، تاریخ سیر، کلام، فقہ اور تصوف سے متعلق لٹریچر اور اسلامی نظام حیات کے مختلف شعبوں کے بارے میں تحقیقی کتابیں جس رفتار سے شائع اور مقبول ہوئی ہیں، اس سے ظاہر و عیاں ہے کہ پاکستان کا اجتماعی و ملی ذہن اس سرزمین پر اسلامی زندگی کا فروغ چاہتا ہے۔

سہیل اکیڈمی لاہور کی اس دینی و علمی خدمت کے لیے ہم شکر گزار ہیں کہ اس نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی مشہور مگر کمیاب کتاب "ازالۃ الخفاء" کو بہت خوبصورت پیرائے میں چھاپ کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔

شاہ صاحب کی اس کتاب کی معنویت کو سمجھنے کے لیے یہ حقیقت سامنے رکھنا مفید ہوگا کہ تاریخ کے ہر دور میں جب کوئی فتنہ دین کے خلاف اٹھا ہے، اس کی وجہ سے جو بھی اذیتیں مسلمانوں کو پہنچی ہوں، ایک فائدہ بہر حال ہوا۔ وہ یہ کہ جواباً علمائے حق نے ایسی دینی و علمی خدمات انجام دیں کہ وہ ملت کے لیے سرمایہ نور و ہدایت بن گئیں۔ مثلاً حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابن تیمیہ کے کیے ہوئے کام کو ——— سیاسی دائرے میں یا علمی دائرے میں ——— دیکھیے کہ اسلامی دائرے میں ابھرنے والے تخریبی عوامل نے دوسری طرف کیا کیا ثمرات پیدا کر دیے۔ اس لحاظ سے فتنے وہ کھاد ثابت ہوتے ہیں جس کے اثر سے چمنستان حق کی کوئی نہ کوئی کیاری از سرِ نو زور شور سے لہلہا اٹھتی ہے۔ ہمارے ہاں اس کی ایک مثال حضرت مجدد الف ثانیؒ کا انجام دیا ہوا کارنامہ ہے جو اس سرزمین پہ وہ پہلا سوتا جاری کر گئے جس سے آگے چل کر کئی ندیاں اور دریا چاروں طرف پھیل جاتے ہیں۔ ازالۃ الخفاء

کے ذریعے ایسی ہی گراں بہا خدمت حضرت شاہ ولی اللہ نے انجام دی ہے۔ وہ ایک دور تھا جس میں شیعوں میں سے غیر معتدل مزاج کے گروہوں نے اس سیاسی مقصد کے تحت کہ اسلامی نظام پر اہلِ سنت کو جمع نہ ہونے دیا جائے۔ دین گریز عناصر کی سرپرستی میں صحابہؓ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کی مخالفت میں رفض و بدعت کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ یہی مدوجزر اکبر اور جہانگیر کے دور میں بھی دکھائی دیتا ہے اور اس کا انعکاس حضرت مجددؒ کی کتابوں اور مکاتیب میں موجود ہے اور پھر اسی کا سامنا مغلیہ حکومت کے آخری دور میں بھی معاشرے کو کرنا پڑا۔ فتنہ کے اس مدوجزر کا توڑ کرنے کے لیے اعلیٰ درجہ کی علمی کتاب ازالۃ الخفا شاہ صاحب نے لکھی۔ یہ اپنے مواد اور استدلال اور زورِ بیان کے لحاظ سے سیوطی کی تاریخ الخلفا اور دوسری کئی تاریخی کتابوں سے بہت بڑھ کر ہے۔ ٹھنڈی فضا میں تحقیق و تدوین کا مزاج اور ہوتا ہے، اور مزاحمت و مخالفت کی فضا میں دوسرا۔ کشمکش کی فضا اہلِ حق کے جوابِ دعویٰ کو بہت پُرزور بنا دیتی ہے۔ حق یہ ہے کہ شاہ صاحب کی کتاب کو پڑھ کر نہ صرف خلفائے راشدین کا اعلیٰ مرتبہ سامنے آتا ہے، بلکہ پوری جماعت صحابہ کی شان بھی نمایاں ہوتی ہے اور خود نبوت کی تجلیات بھی خراجِ نگاہ وصول کرتی ہیں۔ بحث کے دوران میں بہت سے ایسے مسائل کی گرہیں کھلتی ہیں جو متداول اختلافی بحثوں کی وجہ سے پیچیدہ ہو جاتی ہیں۔ بہت سی آیات قرآنی کا مفہوم ایک خاص مبحث کے پس منظر میں واضح تر ہو جاتا ہے، اور کتنی ہی احادیث کے خزائنِ اسرار قاری کے سامنے کھلتے جاتے ہیں۔

میں نے چند برس پہلے یہ کتاب پڑھی تھی تو بہت سے دینی اور تاریخی معاملات کو سمجھنے کے لیے گویا ایک چراغ ہاتھ آگیا۔ لیکن اب جس خوبصورت پیرائے میں کتاب سامنے آئی ہے، اس کی کشش مجھ سے تقاضا کر رہی ہے کہ ایک بار پھر اسے پہلے سے زیادہ غور و خوض سے پڑھ کر بھرپور استفادہ کروں۔

آج اس کتاب کو خریدنا نہ صرف ایک سرمایۂ علم کو حاصل کرنا ہے بلکہ ناشر کی تحسین کا ذریعہ بھی ہے جس نے بہت سا سرمایہ صرف کر کے اس کتاب کو بڑی معیاری خوبصورتی کے ساتھ ہماری روشنیٔ دل و دماغ کا سامان کیا ہے۔

---

(بقیہ اشارات) کچھ کارنامے پیش کرتے جائیں۔

فرض کیجیے، ایک مقرر موافقین اور مخالفین پر مشتمل کسی مجمع کے سامنے آتا ہے، اور پندرہ منٹ تک خاموش کھڑا رہتا ہے۔ وہ بعد میں پریس کانفرنس میں بتا سکتا ہے کہ چند نئی مفید باتیں میرے سامنے ایسی آگئی تھیں کہ میں حاضرین کی بہبود کے لیے اُن پر غور کرنے لگا۔ ٹھیک ہے یہ غور کرنا بہت مبارک، مگر جلسہ گاہ میں تو دو ہی منٹ بعد شور مچ جائے گا، ہوٹنگ ہو جائے گی۔ لوگ جوتے پھینکنے لگیں گے، کیونکہ لوگوں کو لمحہ انتظار کے ایک طویل خلا میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اور عوام کو خلا میں نہیں رکھا جا سکتا۔ آپ اگر صداقت کی قوت اور استدلال کے زور کے ساتھ آتے ہی بولنا شروع کر دیتے تو مجمع ہپناٹائز ہو کر آپ کے بس میں آجاتا، اور آپ جو کہتے، لوگ وہی کرتے۔

میں نے پہلے بھی ایک بار مداری کی مثال دی تھی کہ وہ ہوا میں ایک رنگدار گیند اچھال دیتا ہے، پھر دوسری، پھر تیسری، اور مجمع کی نگاہیں اُوپر اُٹھ جاتی ہیں، اور گیندوں کے ساتھ ساتھ حرکت کرتی ہیں۔ پھر وہ کبھی رومال لے کر اُسے آگ لگاتا ہے اور جلے ہوئے رومال سے چنبیلی کے پھول جھڑنے لگتے ہیں۔ پھر وہ کسی کبوتر یا طوطے کو سامنے لے آتا ہے اور حاضرین کی توجہ غیر اختیاری طور پر ایک سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتی جاتی ہے۔ توجہ کشی کا تسلسل جہاں بھی ٹوٹے گا، سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اور حاضرین منتشر ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور کرشمہ گر بنے بنائے مجمع کو اپنے ساتھ لے جائے۔

یہ جو حال ہی میں میر غوث بخش بزنجو اور سردار عطاء اللہ مینگل نے اپنے سیاسی ساز سے ایک جداگانہ سُر پیدا کیا ہے، اس کے لیے ہرگز موقع پیدا نہ ہوتا، اگر موجودہ حکومت چند فوری اقدامات کر کے عوام کی پُر اُمید توجہات کو اپنی طرف منعطف کرا سکتی۔ اس خلا میں تو دوسرے سیکولرسٹ عناصر بھی رقص و وجد میں آسکتے ہیں۔

اُوپر کی مثال سے مُراد یہ نہیں کہ سحر کار اور فریب کار سیاست دانوں کی طرح مغالطہ انگیز کرتب معاشرے کو دکھائے جائیں۔ مطلوب صرف یہ ہے کہ آپ حضرات کو اوّل تو حلف لینے کے بعد کی پہلی ہی کانفرنس میں (کسی سوچے سمجھے پروگرام کے مطابق) دو یا تین نمایاں اور مؤثر

تبدیلیوں یا اقدامات کا اعلان کرنا چاہیے تھا۔ یہ نہیں، تو حکومت بنانے کے بعد پہلے ہفتے میں، یہ بھی نہیں تو عید کے موقع پر قوم کو بیانوں کے اور تقریروں کے بجائے عملی فیصلوں سے محسوس کرانا چاہیے تھا کہ تبدیلی آ رہی ہے اور تیزی سے آ رہی ہے۔ سیاست میں زیادہ دیر تک مشاورتی اجلاسوں، دفتری سرگرمیوں اور منصوبہ سازیوں کے نام پر کلھیا میں گڑ نہیں پھوڑا جاسکتا ہے۔ خطرہ ہوتا ہے کہ بھانڈا ہی نہ پھوٹ جائے۔ آپ کے پاس گڑ کچھ ہے تو اس کا تھوڑا حصہ لوگوں کو کھلا دیجیے، کھلانے کا وقت نہیں آیا تو ہاتھ اونچا کر کے انہیں گڑ کی بھیلیاں دکھایئے کہ دیکھو، تمھارے لیے ہم کیا کیا پاپڑ بیل رہے ہیں تاکہ گڑ کھلا کر تمھارا منہ میٹھا کیا جائے۔

---

کوئی حکومت، خصوصاً عبوری حکومت، اور وہ بھی تبدیلی کی علمبردار حکومت ——— ٹھنڈے ٹھنڈے پُرسکون طریقے سے اجلاسوں یا دفتروں میں بیٹھ کر محض طویل المیعاد منصوبوں اور اسکیموں میں اپنے آپ کو مصروف نہیں رکھ سکتی خصوصاً جب کہ معاشرے میں ایسے رنگارنگ عناصر موجود ہوں جو اپنی نادانی یا غیروں کی دانائی کے زیر اثر تختت اُلٹنے کے درپے ہوں۔

کچھ کام اگر فوری ہو جائیں ——— خاص طور پر ایسے علامتی کام جو شہادت دیں کہ تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا ہے اور اس کا رُخ خدمتِ اسلام اور خدمتِ عوام کی طرف ہے تو عوام کی محبت آمیز توجہ کو جذب کیا جاسکتا ہے۔ پھر کسی خلل اندازی کرنے والے کے لیے آسان نہیں ہوتا کہ وہ عوام کو شکارِ انتشار کر سکے۔

اپنے محبت کیش کارکنوں کو کچھ ٹھوس اور محسوس اقدامات اور خدمات بہم پہنچایئے، تاکہ وہ ان کو لے کر عوام تک پورے اعتماد اور مسرت کے ساتھ جاسکیں کہ ہماری نئی حکومت نے ان ان کاموں سے ابتدا کی ہے اور پھر ان کاموں پر اخبارات میں بھی، مجالس میں بھی، نجی گفتگوؤں میں بھی بحثیں ہوں۔ بحثیں ہوں گی تو ذہنوں میں حرکت آئے گی۔

آج ہمارے کارکنوں سے کوئی پوچھ بیٹھے کہ سال کا اہم حصہ گذر گیا، اس میں آپ کے وزیروں نے کیا کیا تو اُن کے پاس سوائے " رولنگ پلان" کے کچھ نہیں۔ اور رولنگ پلان فائلوں کی چیز ہے، عوامی سیاست کی نہیں۔

خدا کے لیے سول سروس کے اس معصومانہ ہتھکنڈے سے بچ نکلیے کہ وہ آپ کو فائلوں کی وادیوں میں گھماتی رہے۔ تبدیلی کے پروگرام لے کر جانے والے حکمران فائیلوں کو ایک طرف رکھ کر اپنے تخلیقی منصوبے سول سروس کے سامنے لا کر مطالبہ کرتے ہیں کہ بتایئے کہ انہیں روبعمل لانے میں آپ کیا پارٹ ادا کر سکتے ہیں۔

سول سروس کے پیچھے نہ چلیے، خود آگے بڑھ کر اُسے پیچھے چلایئے۔

چند اہم اور مؤثر فوری کاموں کا نقشہ میں یہاں پیش کر دیتا۔ مگر افسوس کہ ترجمان القرآن کے صفحات ناکافی ہیں۔ باقی باتیں پھر سہی، یا کسی دوسرے ذریعے سے بھی ہو سکتی ہیں۔

---

آخر میں مَیں حکومت میں جانے والے اپنے قریبی احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے حلقوں سے زیادہ سے زیادہ معاونت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی قابلِ استفادہ دوست ملتے ہوں تو انہیں قدرے اہمیت دیں، اور بیرونی حلقوں کو بھی محسوس کرائیں کہ ہمارے ساتھ ہمارے علاوہ بھی کام کے لوگ ہیں اور ان کو وہ مجبور کریں کہ وہ آپ سپہ سالاروں کے ساتھ آپ کے سپاہیوں کو بھی قابل توجہ سمجھیں۔

حکومتی اُمور کے تمام تر مشورے بڑے بڑے اجلاسوں ہی میں نہیں ہوا کرتے، اور نہ سارا کام ریزولیشنوں پر چل سکتا ہے، بلکہ اس الٹرا ڈیموکریٹک طریقے سے ہٹ کر بھی کچھ صورتیں ہوتی ہیں۔ بسا اوقات بڑے اجلاسوں میں اہم تجاویز کے ایسے بخیے اُدھڑتے ہیں کہ باقی کچھ نہیں بچتا اور محض دیکھتا رہ جاتا ہے۔

آپ لوگوں کے کام کا طور اب وہ نہیں ہونا چاہیے جو جماعتی طور پر دعوت کو پھیلانے یا رپورٹیں تیار کرنے، یا دفتری اُمور انجام دینے اور عوامی اغراض سے بے نیاز ہو کر لمبے لمبے

گھر سے کام کرتے جانے کا ہوتا ہے ۔ خصوصاً اب " آئس کریم " طرز کا ٹھنڈا کام حکومت داری کے دائرے میں موثر نہیں ہو سکتا ۔ "یہاں تو فقر دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است" والی صورت موزوں رہتی ہے ۔ سطح کے نیچے لمبا اور ٹھنڈا کام ، سطح کے اُوپر حرارت اور تیز حرکت کا مظاہرہ ۔ یہی حرارت و حرکت ابھی سامنے نہیں آئی ، اور ہر طرف اسی کے انتظار میں فضا دم سادھے ہوئے ہے ۔

یہ بھی غنیمت ہے کہ ابھی فضا دم سادھے ہوئے ہے ، اور خدا کی مہربانی ہے کہ تاحال عوامی اثر والی مخالف قوتیں کوئی بڑی ہل چل پیدا نہیں کر سکیں ۔ اگر آپ آئس کریم طرز کے کام سے جلد نہ نکلے اور سناٹے سے فائدہ اُٹھا کر کسی ہنگامہ خیز قوت نے عوام کی توجہات کو اپنی طرف مرتکز کر لیا تو پھر آپ اگر عوامی خدمات کے خزانے بھی لُٹا دیں گے تو وہ ہنگامہ آرائی کے ثمرات شمار ہوں گے ، آپ کا اپنا کارنامہ نہیں ! خدا را مخالف قوتوں کو مزید موقع نہ دیجیے ۔ موجودہ خلاء اور سناٹے کی کوئی وجہ جواز میرے پاس نہیں ہے ۔ تیس پینتیس سال سے کام کرنے والی جماعت کے دانشور لیڈروں کے پاس تو حکومت کے دروازے میں داخل ہوتے سے قبل پورا بلیو پرنٹ اور مختلف اقدامات کا ٹائم ٹیبل بغل میں ہونا چاہیے تھا ، اور انہیں وزارت کے دوسرے رفقاء اور چیف سے بات کر لینی چاہیے تھی کہ ہم تو البتہ ایسے کام مناسب رفتار سے کرنے آئے ہیں ۔ ان کے لیے آپ سب تیار ہوں تو ہم حاضر ہیں ، نہ ہوں تو آپ کام کریں ، ہم محبت سے تعاون کریں گے ۔ اگر یہ صورت پہلے نہ ہوئی ہو تو اب قومی اتحاد کو مجموعی طور پر ، یا آپ کو خصوصی طور پہ وضاحت کر دینی چاہیے ۔

اب گول مول بات سے زیادہ دیر تک کام نہیں چل سکتا کہ ہم اسلامی نظام قائم کر دکھائیں گے ، یا اس کے لیے بنیادیں رکھ دیں گے ، یا تدریجاً آگے بڑھیں گے ۔ سوال تو یہ ہے کہ آپ دو ایک اقدامات تو کر کے دکھا دیں کہ کس رُخ پہ آپ کس رفتار سے بڑھیں گے ۔

مسئلہ یہ بھی ہے کہ موجودہ حکومت کے خلاف پروپیگنڈے کی کئی رویں چل رہی ہیں ۔ مثلاً ایک یہ ہے کہ یہ حکومت زیادہ دیر چل نہیں سکتی ، جلد ٹوٹ جائے گی ۔ پھر یہ کہ اس کے شریک عناصر ایک دوسرے کو غیر مؤثر ( NEUTRALISE ) کرتے رہیں گے ۔ پھر یہ کہ

کچھ اعلیٰ دماغوں کا منصوبہ ہے کہ خاص طور پر ایک جماعت کو چکر میں لا کر ختم کرا دیا جائے، اور اس کے بعد اطمینان سے سیکولر لائین پر کام چلایا جائے، پھر یہ کہ بعض عناصر وزارتی قوت و اثر سے کام لے کر اپنے ووٹ ریزرو کراتے رہیں گے، اور دوسرے اسلام اور جمہوریت کی وضاحت کرتے رہیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ موجودہ حکومت اور قومی اتحاد کے خلاف بڑا خطرناک زیرِ زمین پروپیگنڈا ہے۔ اس سے آپس میں اختلافات پیدا کرنا بھی مطلوب ہے۔ آپ کو اس سے باخبر رہنا چاہیے۔

---

یہ بات بھی نادرست ہو گی کہ آپ عوام کے مسائل کو محض اپنی وزارت کی حد تک قابلِ توجہ سمجھیں۔ اگر وزارت مشترک ذمہ داری پر کام کرنے والی ایک ٹیم ہے اور قومی اتحاد کے اجلاس میں وزراء کی اکثریت کام کا ایک مجموعی خاکہ تیار کر لے اور جملہ حضرات باہم دگر تعاون کا فیصلہ بھی کر لیں تو کام ہمواری سے چلے گا۔ قومی اتحاد کے وزراء کا مقابلہ آپس میں نہیں، بلکہ سب کو مل کر مقابل و مزاحم قوتوں سے مقابلہ کرنا ہو گا ——— آج بھی، اور انتخابات میں بھی۔ لہٰذا قومی اتحاد کے کسی بھی وزیر کے دائرہ اثر کے عوام کا کوئی بھی مسئلہ ہو اُسے حل کرنے میں دوسرے محکموں کے وزراء کو سرگرمی سے حصہ لینا ہو گا۔ یہ فضا بنے گی تو موجودہ حکومت اپنے مختصر سے دورِ امتحان سے سرخرو ہو کر نکلے گی، ورنہ دو ایک افراد کا تیزی اور پھرتی دکھا لینا پوری حکومت کی کامیابی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔

خاص طور پر تعاون اسلامی نظام کی طرف مارچ کرنے کے سلسلے میں اشد ضروری ہے۔ عوامی مطالبات اور اپنے وعدوں اور ہمسفر جماعتوں کی "کومٹ منٹس" کو مدِنظر رکھ کر کچھ اقدامات کی فہرست اور اُن کا ٹائم ٹیبل بنا لینا چاہیے۔

ماہ اکتوبر میں بھرپور کام کر دکھانے کا منصوبہ بنائیے اور اُسے زور شور سے عمل میں لائیے، کیونکہ یہ اس سہ ماہی کا آغاز ہے جس میں آٹے گندم کے بحران کا اندیشہ لوگوں میں پھیلا ہوا ہے، اوّل تو اس بحران کا حل سوچ لیجیے، یا کم سے کم اس کے پروپیگنڈے کو غیر مؤثر بنا دیجیے۔ دوسری

طرف قومیتوں کا جو جھنڈا بلند ہو رہا ہے، اس کا مثبت حل یہ اختیار کیجیے کہ بلوچستان کے عوام کے مسائل و شکایات کی مکمل تفصیلی رپورٹ تیار کرنے کے لیے ایک اعلیٰ سطح کا کمیشن مقرر کیجیے جو دو تین ہفتوں میں وہاں کے تمام قبیلوں کے احوال اور سرداروں یا لیڈروں کے بیانات جمع کرلے۔ خاص توجہ ایسے نوجوان تعلیم یافتہ افراد کو دی جائے جو سرداروں کے زیر سایہ کوئی آواز نہیں رکھتے۔ اس کمیشن کی رپورٹ کو سامنے رکھ کر موجودہ وزارت اپنے کسی اجلاس میں شکایات کا ازالہ اور مسائل کو حل کرنے اور پچھلے دَور کے مظالم اور زیادتیوں کے اثرات کو مٹانے اور ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کے لیے حتمی فیصلے کرے۔ اس طرح کا مثبت کام منفی نظریات کا خاتمہ کر دے گا۔

سال کی آخری سہ ماہی اور بھی کئی پہلوؤں سے ستاروں کی گردش کے انضباط میں خلل انداز ہوسکتی ہے یا دوسرے لفظوں میں لاء اینڈ آرڈر کے مسائل پیدا کرسکتی ہے۔ اس کا حل صرف ایک ہے۔ وہی جسے ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ پے در پے متعدد ایسے تیز رفتار اقدامات، غلبۂ اسلام، اصلاح معیشت، انسداد جرائم اور دوسرے متفرق شعبوں میں کر دکھایئے کہ عوام کی پُرامید توجہات پوری طرح اِدھر منعطف ہوجائیں اور مخالف عناصر کے لیے آپ کی مخالفت میں زبان ہلانا مشکل ہوجائے۔

---

قومی اتحاد کی تمام جماعتوں اور آپ کی کامیابی کا انحصار ان کارکنوں کی سرگرمی پر ہے جو مختلف جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ یہی لوگوں کو حکومت کے کاموں سے آگاہ کرنے والے اور ان کے اعتراضات کا جواب دینے والے، یہی اردگرد کے مسائل کا تجزیہ کرنے والے، یہی ان کے حل کی صورتیں تجویز کرنے والے، یہی حکومتی دائرے میں گھسے ہوئے غلط کیش اور کج کردار افراد کو پہچاننے والے اور یہی پچھلی حکومت کی چھوڑی ہوئی میراث تخریب و انتشار کا شعور رکھنے والے ہیں۔

ان کا کام کرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ ان کو وہ کچھ کرکے دیں جسے بدلے کے عوام

کے سامنے جائیں کر دیکھو یہ ہے نئی حکومت کا کام اور اس کے کام کا نہج اور اس کی پیشقدمی کا رُخ۔ وہ حامیوں کو مطمئن اور مخالفوں کو مہر بلب کر سکیں۔

دوسری ضرورت اُن کی یہ ہے کہ اُن کو اتنا تحفظ حاصل ہونا چاہیے کہ وہ عوام کے مخصوص مسائل کو حل کرانے، اُن کی تکالیف کو ختم کرانے اور اُن کی مظلومیت کا ازالہ کرانے کے لیے سرکاری دفتروں اور تھانوں میں جائیں تو نہ صرف یہ کہ اُن کو تنگ نہ کیا جائے اور ناکام لوٹا نہ دیا جائے بلکہ اُن کی عزت کی جائے اور اُن کو وزارت کا نمائندہ سمجھا جائے۔ پچھلا تجربہ آپ کو یاد ہونا چاہیے کہ محلے کا چیئرمین اگر کسی تھانے یا کسی افسر حتیٰ کہ وزیر یا سیکرٹری کے دفتر میں جاتا تھا تو اُس کے ناجائز مطالبات کو بھی بصد ادب مانا جاتا تھا۔ کیونکہ دوسری صورت میں بھٹو صاحب کا ایک ٹیلیفون کسی آدمی کو بڑے سے بڑے رتبے سے اُٹھا کر بدنصیبی کے غار میں پھینک سکتا تھا۔ آپ کے کارکن ناجائز فائدے اُٹھانے اور خلافِ ضابطہ کام کرانے کے لیے نہیں جائیں گے۔ انھیں جائز کاموں کے لیے پورا پورا تحفظ ملنا چاہیے۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہر وزیر کو اعتماد ہو کہ پوری وزارت اس کے ساتھ ہے۔ کیبنٹ میں بیٹھ کر ایک بار اس مسئلے کو طے کر لیجیے۔ لیکن کوئی فوری کارروائی کیجیے کیونکہ عوام کا ہجوم آپ کے ان کارکنوں کے گرد بڑھ رہا ہے جو تیس تیس سال سے کام کر رہے ہیں۔ اب اگر وہ لوگوں کے ان جائز طور پر بھی کام نہ آسکے تو عوام بددل ہو کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔

اپنی ۳۷ سال کی بنی ہوئی ساکھ کے سرمایے میں آپ مستقبل کے لیے بہت بڑا اضافہ بھی کر سکتے ہیں، اور اس یک سالہ دور کی کوتاہیاں اس سرمائے کو ڈبو بھی سکتی ہیں۔

---

میرے سامنے عملی پروگرام بھی تھا۔ فوری اقدامات کا نقشہ بھی، بعض مسائل کے حل کا فارمولا بھی، اور طویل المیعاد اسکیموں کے متعلق ایک سرسری خاکہ بھی۔ مگر ترجمان القرآن کے صفحات میں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی یا کسی اور راستہ سے سہی۔ خاتمۂ کلام کے طور پر میں دل و جان سے بس یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کو، قومی اتحاد کو

اور پوری موجودہ حکومت کو اسلامی نظام قائم کرنے، پاکستان کے وجود، سالمیت اور اس کے اساسی نظریہ و مقصد کا تحفظ کرنے، عوام کے مسائل کو حل کرنے، جمہوریت کو بحال کرنے، اور انتخابات کو جلد منعقد کرانے کی توفیق بھی دے، ان عظیم ذمہ داریوں میں مدد بھی دے! آمین !!

امید ہے کہ تمام اہلِ ایمان اور خدا کے فرشتے بھی آپ کے لیے دعا کرتے ہوں گے۔

---

# ماہنامہ "فاران" کی اشاعتِ خاص بیادِ ماہر

★

کراچی (پ - ر) برصغیر پاک و ہند کے مشہور ادیب و شاعر یگانہ روزگار محقق و نقاد اور جریدہ "فاران" کے بانی و مدیر مولانا ماہر القادری مرحوم کی یاد میں ادارہ "فاران" نے ایک ضخیم خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس میں جناب ماہر القادری کی شخصیت، شاعری، علمی و قومی خدمات اور بامقصد صحیفہ نگاری جیسی نمایاں خصوصیات پر بلند پایہ مضامین شامل ہوں گے۔ ملک و بیرونِ ملک کے نامور ادبا و شعراء کا قلمی تعاون متوقع ہے۔ مولانا کے برادرِ عزیز، ماہنامہ فاران کے موجودہ مدیر مسرور حسین نے حلقۂ احباب ماہر اُن کے مداح اور ہم عصر اہلِ قلم حضرات سے درخواست کی ہے کہ اپنے نثری و منظوم رشحات قلم تاثرات اور یادداشتیں اس خصوصی نمبر کے لیے جلد از جلد ارسال فرمادیں۔ حتی المقدور کوشش کی جائے کہ معیاری نگارشات کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ماہر القادری نمبر کے شایانِ شان ہو تاکہ اک حق پرست انسان ہر دلعزیز شاعر اور باکمال نقاد کی حیثیت سے ماہر صاحب کی گراں قدر خدمات کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا جاسکے۔ ترسیل مضامین اور معلومات کے لیے مندرجہ ذیل پتے سے رابطہ قائم کریں۔

مسرور حسین۔ مدیر فاران

ای ۱۷/۲، ناظم آباد نمبر ۴ - کراچی